سلسلۂ طباعت نمبر ۹

اللّٰھم اعز الاسلام باحد العمرین

یعنی اے اللہ دو عمروں میں سے کسی ایک کے ذریعہ اسلام کو عزت دے

انتخاب لاجواب

خلیفہ ثانی امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

از

محمد اسمٰعیل آزاد ایم۔ اے

شائع کردہ

ادارہ معارف الحق جی ۶/۲ ملیر توسیعی کراچی ۳۷

فہرست مضامین

اسلام نے ہر طرف پھیل کر طاغوتی طاقتوں کا خاتمہ کرنا شروع کیا تو دشمنان اسلام نے منافقت سے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی خفیہ سازشیں شروع کیں اور انتہائی غیر محسوس طریقے سے حق کے ساتھ باطل نظریات کو شامل کر دیا اس طرح حقیقت عام مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں جس کے نتیجے میں فرد لا ثانی کی عظمت ہم سے رخصت ہو گئی اور ملت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ہمارا اہم کام یہ ہے کہ اسلام کے ابدی اصولوں کی روشنی میں غیر اسلامی نظریات کی نشاندہی کریں تاکہ قرآن و سنت کی روشنی میں حق و باطل کی تمیز ہو سکے۔

چنانچہ ادارہ ہذا چند اہل علم و بصیرت کے تعاون سے شب و روز تحقیق و ریسرچ کے کام میں مصروف ہے اور اپنی مطبوعات مفت تقسیم کرتا ہے لیکن معاشی تنگی ہماری راہ میں حائل ہے چنانچہ متعدد مسودات تیار ہوتے ہوئے بھی ہم زیور طباعت سے محروم ہیں۔ اہل خیر حضرات کی توجہ شامل ہو تو مزید کام آگے بڑھ سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ (معترف قصور شفاعت ۔ محمد امین)

تبصرہ

(از امام الصوفیہ مجتہد العصر علامہ حضرت قاری شاہ محمد جعفر پھلواروی)

مولانا اسمٰعیل آزاد کی جتنی تصنیفات میں نے اب تک دیکھی ہیں ان میں پیش نظر تصنیف عجیب و غریب خصوصیات کی حامل ہے۔ فاضل مصنف ہمیشہ نئی تحقیق کی جستجو میں رہتے ہیں۔ پیش نظر کتابچے میں انھوں نے کئی باتیں ایسی لکھی ہیں جن پر یا تو غور ہی نہیں کیا گیا یا اگر غور کیا گیا تو لکھنے کی ہمت نہیں ہوئی اور اگر ہمت ہوئی تو اسے پیش کرنے کا ڈھنگ نہ ہونے کی وجہ سے وہ پردۂ خفا میں رہا۔ مولانا اسمٰعیل آزاد جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اسے بڑے سلیقے سے کہا ہے۔ پڑھنے والا خود نتیجہ پہ پہنچ جاتا ہے۔

یہ پیشکش سیدنا فاروق اعظمؓ کی مکمل سوانح عمری نہیں صرف چند پہلوؤں پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۱) ہم اتفاق کریں یا نہ کریں لیکن یہ سوال قابلِ غور ضرور ہے کہ کم از کم خطبۂ صفا (سنہ ۳ نبوی) کے بعد سے تو مکہ کا بچہ بچہ اس حقیقت سے واقف ہو گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے دین (اسلام) کی تبلیغ فرما رہے ہیں جو سارے عرب کے دینِ جاہلیت کے سراسر خلاف ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا فاروق اعظمؓ اس سے بالکل بے خبر تھے؟ اور دو سال (سنہ ۵ نبوت) تک بالکل بے خبر رہے؟ عقل اسے تسلیم نہیں کرتی۔ پھر اگر آپؓ اس قدر جذباتی اور بات بات پہ بھڑک جانے والے واقع ہوئے تھے تو ایک نئے دین کا علم ہوتے ہی وہ تلوار سے فیصلہ کرنے کے لئے کیوں نہ چل کھڑے ہوئے۔ ؟ کئی سال تک خاموش کیوں رہے؟ معلوم ایسا ہوتا ہے۔

کہ آپ نے ابتداءً تو کوئی نوٹس نہ لیا۔ پھر اس کے بعد اچھی طرح غور وخوض کرتے
رہے مزید تسکین کے لئے اپنی بہن اور بہنوئی (فاطمہؓ وسعیدؓ) کے پاس گئے۔ شروع
میں کچھ جھڑپ ہوئی پھر قرآن بھی سنا یا پڑھا۔ اور وہیں ایمان لے آئے۔ گھر سے
چلتے وقت اگر تلوار بھی ساتھ رکھ لی ہو تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ یہ عرب کا عام رواج
تھا۔ ایمان لانے کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ تلوار بھی ساتھ تھی۔
اس تلوار سے یہ گمان کر لیا گیا کہ گھر سے نکلے ہی تھے حضورؐ کو قتل کرنے کے لئے۔ مولانا اسمٰعیل
آزاد کو اگر اس گمان سے اختلاف ہے تو انہیں اس کا حق پہنچتا ہے ایسے بہت سے
مفروضات ومظنونات ہیں جو تاریخی حقیقت سمجھ لئے گئے ہیں۔

مولانا اسمٰعیل آزاد نے سیدنا فاروق اعظمؓ کے معاشی نظریات کا جو
نقشہ کھینچا ہے۔ اس سے کوئی اختلاف ہی نہیں کیا جا سکتا۔ فاضل مصنف نے بڑی
تفصیل سے آپ کی معاشی پالیسی کا جائزہ لیا ہے اور گنتی کے چند ہی اہل قلم ہوں گے جنہوں
نے اس نقطۂ نظر سے فاروق اعظمؓ کو دیکھا ہو یہ بحث کتابچے کا سب سے زیادہ
اہم حصہ ہے۔

پھر آخر میں فاضل مصنف نے شہادت فاروق اعظمؓ کے اسباب کا سراغ لگانے
کی جو کوشش کی ہے وہ بالکل اچھوتی ہے۔ ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ اس سے قارئین
یقیناً کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسباب
کا سراغ لگانے میں اس سے بڑی مدد ملے گی۔ بلاشبہ فاروق اعظمؓ نے کسی کا کچھ
نہیں بگاڑا اور کسی مرحلے پر اپنی برتری نہیں پیدا ہونے دی۔ کسی معاملے میں بھی اپنا
کوئی امتیاز نہیں رکھا۔ لیکن دو چیزوں کو ضرور نقصان پہنچا۔ سرمایہ داری کو اور نسلی برتری
کے تصور کو۔ یہی دو بڑے اسباب ہیں جن کے باہم گٹھ جوڑ نے ابولولو اور اس کے زہریلے
خنجر کی شکل اختیار کی۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہرمزان اور اس کے

ہمنواؤں سے اس کا گہرا ربط موجود تھا۔ ان ہی کے بعض سازشیوں کو جذبۂ دینی سے سرشار ہو کر اگر عبید اللہ بن عمرؓ نے قتل کر دیا تو کوئی حیرت کا مقام نہیں۔ مگر یہ حیرت کا مقام ضرور ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے مقتولین کا خون بہا ادا کر دیا۔ اور معاملہ ختم ہو کر پارینہ ہو گیا تو تیرہ سال کے بعد قصاص ہرمزان میں قتل کرنے کے لئے عبید اللہ بن عمرؓ کو طلب کیا گیا اور وہ بھاگ کر دمشق پہنچ گئے۔

چلئے اگر یہ قصاص عین تقاضائے اسلام تھا اور تیرہ سال بعد اور خون بہا ادا ہو چکنے کے بعد بھی ضروری تھا تو سیدنا عثمانؓ کے تازہ تازہ واقعہ قتل کا قصاص کیوں نہ لیا گیا؟ حالانکہ قاتلین جانے پہچانے ہیں اور فوج میں موجود ہیں۔ کسی قاتل عثمانؓ کی انگلی بھی زخمی نہ کی گئی مگر قصاص کا صحیح شرعی مطالبہ کرنے والوں میں ایک دو نہیں کم و بیش لاکھ مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا۔ بہت غیر جانبدارانہ غور و خوض کے باوجود ہمیں آج تک اس سوال کا تسلی بخش جواب نہ مل سکا۔ ممکن ہے سفہا دت فاروق اعظمؓ کے سراغ اسباب کی ایک کڑی یہ سوال بھی ثابت ہو کہ عبید اللہ بن عمرؓ کے قتل کا مطالبہ کیوں کیا گیا اور سیدنا عثمانؓ کے قاتلین کو کھلی چھٹی اور معافی کیوں دے دی گئی۔ اور مطالبۂ قصاص کرنے والوں کو تہِ تیغ کیوں کیا گیا؟

یہ سب کچھ تاریخ کے آئینے میں تحقیق ہو رہی ہے اس سے کسی صحابی رسولؐ کی عظمت منصوصہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ صحابہ سب واجب الاحترام ہیں سب جنتی ہیں لیکن معصوم کوئی نہیں۔

عرضِ ناشر

ادارہ "معارف الحق" باوجود مالی کمزوری کے اب تک آٹھ عدد کتابچے شائع کر چکا ہے۔

الحمد للہ یہ نویں تصنیف پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ یہ اللہ پاک کا عین فضل ہے۔

زیر نظر کتابچہ محترم محمد اسمٰعیل آزاد کی گہری فکر اور عمیق غور و خوض کا نچوڑ ہے اگرچہ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مکمل سوانح حیات تو نہیں ہے لیکن سیدنا عمرؓ کی ذاتِ گرامی کا مختصر اور جامع تعارف ضرور ہے بعض تحقیقات بالکل انوکھی اور حیران کن ہیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے فاضل مصنّف کے نکات مشعلِ راہ ضرور ہیں۔ مخالفین نے سوچی سمجھی ہوئی اسکیم کے تحت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو غلط طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ آپ کے ماننے والے بھولے بھالے مسلمانوں کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کر دیا گیا اس طرح حقیقی واقعات صدیوں سے دبیز پردوں کی تہہ میں چھپے رہے۔ محترم موصوف نے بعض اہم گوشوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ میری دعا ہے کہ

اللہ پاک فاضل مصنّف کو مزید تحقیق کی توفیق بخشے آمین۔

قارئین کرام سے گذارش کرتا ہوں کہ براہِ کرم اس رسالے کو زیادہ سے زیادہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ ادارے کی جانب سے مکمل طور پر اجازت ہے۔

وما توفیقی الا باللہ

"قاری عبد الکریم"

اللہ کا انتخاب

اللہ ربّ العالمین نے اپنے آخری نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا۔ رسولوں کا انتخاب اسی کا کام ہے۔ ارشاد ہے اِنّ اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلاً ومن النّاس یعنی فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولوں کا انتخاب اللہ تعالیٰ خود ہی کرتا ہے۔ اللہ کے انتخاب کردہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انتخاب مکہ معظمہ کے دو نوجوانوں پر پڑی اور آپ نے دعا فرمائی اللّٰھم اعز الاسلام باحد العمرین۔ یعنی اے اللہ دو عمروں میں سے کسی ایک کے ذریعہ اسلام کو عزت دے۔

اِن دو میں سے ایک تھے عمر ابن الخطاب اور دوسرا عمرو ابن الہشام (المعروف بہ ابوجہل)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو میں سے ایک کا انتخاب اللہ کے سپرد فرما دیا تھا۔ اللہ نے ان دونوں میں سے عمر ابن الخطاب کو اسلام کی طرف ہدایت فرما دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مطابق اللہ پاک نے خود ہی فرمایا تھا۔ اس لحاظ سے ہر مسلمان جس طرح نبوت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب پر ایمان رکھتا ہے اسی طرح اسلام کی خدمت کرنے اور اسے عزت دینے کے لئے سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کا جو انتخاب اللہ نے فرمایا کوئی مسلمان اس انتخاب پر بداعتمادی کر کے اپنے ایمان کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ پھر یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ مانگنے والا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور دینے والا ربِ محمد ہو تو وہ ایسے سائل کی جھولی میں کھوٹا سکہ ڈال دے۔

۲۔ سیدنا عمرؓ کا قبولِ اسلام

اسلام قبول کرنے سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہر مکہ کے اجتماعی اور ثقافتی کاموں میں بھرپور حصہ لیتے تھے اسی طرح آپ اسلام سے قبل شہر مکہ کے متحرک اور قومی کارکن تھے۔ عکاظ میں فنِ پہلوانی ہو یا شعر و شاعری، آپ سب میں برابر شریک ہوتے چنانچہ جب قوم اسلام کی مخالف تھی اُس وقت آپ اپنی قوم کے ساتھ تھے قوم میں یہ پروپیگنڈہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قومی دین کو مٹانا چاہتے ہیں اس لئے قوم کا جوان طبقہ بڑے بوڑھوں کے جوش دلانے پر مخالفت کرتا تھا۔

دوسری طرف ایسے جوان جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں وہ بڑے بوڑھوں کے اثر میں آخر کب تک رہ سکتے تھے۔ بیشک سیدنا عمرؓ جب تک اسلام نہ لائے تھے تو کمزور اور غریب مسلمانوں کو بہت ایذا پہنچاتے تھے لیکن عجیب بات ہے کہ آپ نے دوبدو کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تو مخالفت کی اور نہ آپ کو ایذا پہنچائی۔ اس کے برخلاف ایسی روایات ملتی ہیں کہ ایک موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حرمِ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کعبہ کے غلاف میں چھپ کر آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت قرآن کو سنا اور متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

ہجرتِ حبشہ کے وقت ایک مسلمان خاتون اپنے وطن اور قوم کو چھوڑ کر سفر پر جا رہی تھی۔ سیدنا عمرؓ اُدھر جا نکلے۔ کسی نسل پرست عرب

کے لئے اپنی قوم اپنا خاندان اور اپنا وطن کسی اعلیٰ مقصد کے لئے ترک کر دینا بڑی عجیب بات تھی۔ آپ نے خاتون سے یہی سوال کیا تو اس مومنہؓ نے جواب دیا، جس ملک میں ایک اللہ کی عبادت پر پابندی ہو اُسے چھوڑ کر اللہ کی وسیع زمین میں اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے جا رہی ہوں سیدنا عمرؓ پر پہلی بار رقت طاری ہوئی۔ آپؓ نے فرمایا اللہ تمہارا مددگار ہو، مطلب یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ کے ذہن نے دوسری بار اسلام سے ہمدردی محسوس کی اور محض انسانی ہمدردی کی بنا پر آپ کے دل میں مسلمانوں سے اتنی ہمدردی پیدا ہوئی۔

آخری محرک اس سلسلے میں خود آپ کی بہن اور بہنوئی کا قبول اسلام ہے آپ نے عادتاً جا کر دونوں کو زدوکوب کیا۔ بہن نے فرمایا عمرؓ جو چاہے کر لو ہم اسلام کو نہیں چھوڑ سکتے۔ سیدنا عمرؓ کے دل پر یہ ضرب کاری تھی کہ بہن اپنے عزیز بھائی کو چھوڑ سکتی ہے لیکن اسلام کو نہیں۔ بہن کے اعلانِ حق نے بھائی کی راہ سے ساری فکری رکاوٹیں دور کر دیں اور عرب کے رواج کے مطابق رواج ترک کرنے والوں پر سختی اور تشدد ناکام ثابت ہوا اور محسوس ہوا کہ جسم کی پابندی دل و دماغ پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔ سیدنا عمرؓ نے وہاں قرآن پڑھنا چاہا بہن بہنوئی نے کہا کہ ناپاک رہ کر اسے چھو نہیں سکتے۔ پس غسل کیا، قرآن پڑھا اور ایمان لے آئے۔

ہماری روایات میں جہاں یہ مذکور ہے کہ اس واقعے کے بعد آپ تلوار لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے نکلے یہ بات گھڑی گئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بہن بہنوئی کے استقبال

متاثر ہو کر جب قرآن پڑھ کر ایمان لے آئے تو ایمان لانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کرنے نکلے ہوں گے۔

بہرحال سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے کی مسرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں موجود مسلمانوں کو اتنی ہوئی کہ سب نے مل کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور وادی مکہ پہلی بار اس نعرے سے گونج اٹھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے نتیجے میں اللہ پاک نے سیدنا عمرؓ کا انتخاب فرمایا تھا۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں موجود تھی۔ چنانچہ جب نماز کا وقت ہوا تو سیدنا عمرؓ دار ارقم کے بجائے خانہ کعبہ میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے اصرار کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بیس ساتھی روانہ ہوئے اور خانہ کعبہ میں کفار کی موجودگی کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں سیدنا عمرؓ کی قوت کی مدد سے مسلمانوں نے خانہ کعبہ میں نماز ادا کی۔ سیدنا عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ ما زلنا اعزۃ منذ اسلم عمرؓ یعنی سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد ہم مسلمان برابر غالب رہے (بخاری ج ۲ کتاب القسامہ باب اسلام عمرؓ)

ہماری روایات میں سیدنا حمزہؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا ابوذر غفاریؓ کے قبول اسلام کے ابواب اسی لئے الگ آئے ہیں کہ ان بزرگوں کے قبول اسلام سے اسلام کو تقویت حاصل ہوئی اور کفر کی فصیل میں ان کی وجہ سے دراڑیں پڑیں۔ سیدنا عمرؓ کے قبول اسلام کی خصوصیات یہ ہیں کہ آپ اپنے اسلام لانے میں کسی کی تبلیغ کے احسان مند نہ رہے اور خود قلبی کیفیت اور احساسات میں تدریجی ارتقاء کر کے اسلام تک پہنچے

رسائی آپ نے حاصل کی ۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا یہی اثر تھا ۔
سیدنا عمرؓ کے اسلام لانے میں دوسری امتیازی بات یہ ہے کہ کفارِ مکہ نے صرف آپ کے اسلام لانے کو اپنی شکست سمجھا چنانچہ وہ بزورِ شمشیر آپ کو اسلام سے روکنے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ صحیح بخاری کی روایت ہے ۔ سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں :۔

بینما ھو فی الدار خائفاً اذ جاءہ العاص بن وائل السھمی ابو عمرو علیہ حلۃ حبرۃ وقمیص مکفوف بحریر وھو من بنی سھم وھم حلفاءنا فی الجاھلیۃ فقال لہ ما بالک قال زعم قومک انھم سیقتلونی ان اسلمت قال لا سبیل الیک بعد ان قالھا امنت فخرج العاص فلقی الناس قد سال بھم الوادی فقال این تریدون فقال نرید ھذا ابن الخطاب الذی صبا قال لا سبیل الیہ فکر الناس ۔ اسلام لانے کے بعد سیدنا عمرؓ اپنے گھر میں خوفزدہ تھے کہ ان کے پاس عاص بن وائل سہمی عمرو بن عاص کے والد آئے جو ایک ریشمین حلہ پہنے ہوئے تھے ۔ اور ایک ریشمین گوٹے کا کرتہ ۔ عاص قبیلہ بنو سہم کا تھا جو جاھلیت میں ہمارے حلیف تھے ۔ عاص نے کہا اے عمرؓ کیا حال ہے ؟ آپ نے جواب دیا ۔ تمہاری قوم کے لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں مسلمان ہو گیا تو مجھے قتل کر دیں گے ۔ اس نے کہا تم پر کسی کا بس نہ چلے گا ۔ یہ سنکر سیدنا عمرؓ نے کہا اب میں بے خوف ہو گیا ہوں ۔ پھر عاص باہر نکلا تو دیکھا کہ مکہ کی

وادی لوگوں سے بھر گئی ہے۔ اس لئے ان سے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا عمرؓ بن الخطاب کا جو بے دین ہو گیا ہے۔ عاص نے کہا ان پر تمہارا بس نہیں چلے گا۔ یہ سنکر وہ سب لوگ منتشر ہو گئے۔

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ: مکے کے کفّار نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کو گھیر رکھا تھا۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں:

لمّا اسلم عمر رضی اللہ عنہ اجتمع النّاس عند دارہ وقالوا صبا عمر وانا غلام فوق ظہر بیتی فجاء رجل علیہ قبا من دیباج فقال قد صبا عمر فما ذاک فانا لہ جار قال فرأیت الناس تصدّعوا عنہ فقلت من ھذا قالوا العاص بن وائل۔

یعنی جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کے مکان کے چاروں طرف کفّار جمع ہو گئے جو کہہ رہے تھے کہ عمرؓ بے دین ہو گیا میں اس وقت لڑکا تھا اور اپنے گھر کی چھت پر کھڑا تھا۔ پھر ایک آدمی ریشمی قبا پہنے ہوئے آیا۔ اس نے کافروں سے کہا عمرؓ بے دین ہو گیا تو کیا ہوا؟ میں اس کا حمایتی ہوں۔"

سیّدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ یہ سنتے ہی وہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ انھوں نے کہا عاص بن وائل (بخاری کتاب المناقب باب اسلام عمرؓ ج ۲)

صحیح بخاری کی ان دونوں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ کفّارِ مکہ ہر قیمت پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ وہ لوگ سنت کی روشنی کی تو عملی سے واقف تھے اور اخیر یقینی کتاب کے گر

سیدنا عمرؓ ان کے ہاتھ سے گئے تو مکے میں اسلام کی مخالفت دم توڑ دے گی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے مخالفانہ جذبات سے متاثر ہو کر سیدنا عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتے ہوئے تلوار سے مسلح ہو کر گئے تھے تاکہ راستہ میں کفار کے متوقع حملوں سے بچاؤ ہو سکے۔ پس اس طرح تاریخ و سیرت کی وہ تمام روایات غلط ثابت ہوتی ہیں کہ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے چلے تھے۔

ان دونوں روایات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ عاص بن وائل جو بنو سہم کا سردار تھا، سیدنا عمرؓ کے کردار سے خوب واقف تھا کہ آپؓ ایک مرتبہ فیصلہ کر لیں تو آپ کو اس فیصلے سے روکنا ناممکن ہے اور اس نے کفار کے سامنے آپ کے اسی کردار کو رکھا۔

۳۔ سیدنا عمرؓ کا خلوص

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام کی تاریخ کے سب سے زیادہ متحرک ([illegible]) انسان ثابت ہوئے۔ قبول اسلام کے فوراً بعد آپ اسلام کے لئے حرکت میں آئے اور اس وقت سے لے کر اپنی شہادت تک اسلام ہی کے لئے متحرک رہے۔ جس اسلام کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس قدر جانفشانی سے اس قدر ٹھوک بجا کر حاصل کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں لیت و لعل یا کسی کھوٹ کو وہ کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ ایسا کرنے سے آپ کی زندگی کے تجربات کی نفی ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اسلام کے اصولوں پر کبھی مفاہمت کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ آپ کی اس اصول پرستی کو سیرت نگاروں نے

آپکے کردار کی عظمت سے تعبیر کیا ہے۔ سیدنا عمرؓ کے کردار میں ظاہر اور باطن الگ الگ نہ تھے یہی وجہ ہے کہ نہ تو آپ نے اپنے اسلام کو چھپایا نہ اپنی ہجرت کو۔ تاریخ اسلام میں سیدنا عمرؓ ہی واحد مہاجر ہیں جنہوں نے علی الاعلان ہجرت فرمائی اور کہا کہ جو چاہتا ہے کہ اس کی ماں اس کو روئے اور اس کی بیوی بیوہ ہو جائے وہ آپ کو روک کر دیکھ لے۔ مطلب صاف ہے کہ سیدنا عمرؓ اپنے وقت کے جری اللسان تھے اور ہمارے راویوں نے جرأت کو شدت سمجھ لیا۔

۴۔ فنا فی الرسول شخصیت

مکہ معظمہ میں اسلام کی تبلیغ، اس کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرے کی تشکیل میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ جنگیں ہوں یا گفتگوئے صلح، قانون کا نفاذ ہو یا اسلام کی تعلیم، ہر کام میں آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ سیدنا عمرؓ نے اپنی شخصیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں اس قدر فنا کر دیا تھا کہ آپؓ کے ارادے، مقاصد، اور جذبات اپنے نہ رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد آپ کے نزدیک سب سے زیادہ اہم اور محبوب بن گئے۔ اس فنائیت کا یہ عالم ہے کہ ہمیشہ اسلام کی ترقی کی دھن میں رہنے والے عمر فاروقؓ جن نتائج پر پہنچے ان میں سے اکثر نتائج میں آپ کی رائے کے مطابق وحی نازل ہوتی۔ چنانچہ خود آپ ہی کی یہ روایت امام بخاریؒ اپنی صحیح میں لائے ہیں۔

(۱) "وافقت ربی فی ثلاث قلت یا رسول اللہ (۱) لو اتخذنا من مقام ابراھیم مصلی فنزلت واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی

سورۃ بقرہ ۱۲۵

(۲) وآیۃ الحجاب قلت یا رسول اللہ لو امرت نساءک ان یحتجبن فانہ یکلمھن البر والفاجر فنزلت آیۃ الحجاب۔ قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ط ذالک ازکی لھم ط ان اللہ خبیر بما یصنعون ہ وقل للمومنت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ...... الخ ($\frac{۲۴}{۳۰-۳۱}$)

واجتمع نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الغیرۃ علیہ فقلت لھن عسیٰ ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجاً خیراً منکن مسلمات فنزلت ھذہ الآیۃ۔

عسیٰ ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجاً خیراً منکن مسلمٰت مومنٰت قٰنتٰت تٰئبٰت عٰبدٰت سٰئحٰت ثیبٰت وابکاراً ہ

($\frac{۶۶}{۵}$)

ترجمہ: "اگر پیغمبر تم کو طلاق دیدیں تو عجب نہیں کہ اُن کا پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیبیاں دیدے، مسلمان، صاحب ایمان، فرماں بردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گذار، روزہ رکھنے والیاں بن شوہر، اور کنواریاں ($\frac{۶۶}{۵}$)

میں نے اپنے رب کے ساتھ تین باتوں میں موافقت کی۔ ایک مرتبہ میں نے کہا یا رسول اللہ کاش ہم مقام ابراہیم کو مصلّٰی بناتے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ۔ حجاب کی آیت بھی میری خواہش کے مطابق نازل ہوئی کیونکہ میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ کاش آپ اپنی بیویوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں۔ اس لئے کہ ان سے ہر نیک و بد گفتگو کرتا ہے۔ پس حجاب کی آیت

نازل ہوئی۔ اور ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپ پہ نسوانی جوش میں آکر جمع ہوئیں تو میں نے ان سے کہا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو طلاق دیدیں گے تو آپ کا پروردگار آپ کو تم سے اچھی بیویاں بدلے میں دے گا جو مسلمان ہوں گی تب یہ آیت نازل ہوئی۔

صورتِ حال یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید میں اللہ نے وحی نازل فرمائی لیکن سیدنا عمرؓ کی کسرِ نفسی اور فنائیت کو ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں کہ میری رائے اللہ کی وحی کے مطابق ہوگئی۔

امہات المومنینؓ کے بارے میں آپؓ کا یہ فرمانا اللہ ربّ العالمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہتر ازداج دے گا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ انھیں امہات المومنینؓ میں آپ کی دختر نیک اختر ام المومنینؓ سیدہ حفصہؓ بھی ہیں۔ گویا سیدنا عمرؓ کو تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی منظور تھی۔ چاہے اس کے لئے انھیں اپنی بیٹی کا دکھ ہی کیوں نہ برداشت کرنا پڑے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر مسلمان کا اصل تعلق ایمان کا تعلق ہے۔ دوسرے جسمانی رشتے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں کے تھے۔ لیکن خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا تھا کہ اے صفیہ اے فاطمہ! نیک کام کرلو۔ اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار ہو۔ قیامت میں اعمال کام آئیں گے۔ رشتوں کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدنا عمرؓ کے ایمانی تعلق کی مضبوطی کا یہ عالم ہے کہ جب جسمانی رشتے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

خسر ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خسر ہمیشہ قابل احترام شخصیت مانا جاتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان سے کبھی بھی اس رشتہ پر فخر و مباہات تو کجا سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں ہوا۔ آپ کے ملنے والے اہل سنت اور آپ کے مخالف اہل تشیع دونوں کی کتابیں آپ کے اس قسم کے اعلان، بیان، فخر و مباہات سے خالی ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول میں کوئی کمی نہ تھی جو جسمانی رشتے کے حوالے سے پوری کی جاتی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فنا فی الرسول ہونے پر صدہا شواہد احادیث و سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ اکثر لوگوں کی موجودگی میں آخر سیدنا عمر ہی کیوں ہر معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورے دیتے تھے؟ جواب صاف ہے کہ چونکہ سیدنا عمر رات دن صرف اور صرف اسلام کی سربلندی کے لئے سوچتے رہتے تھے اس لئے جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں اس سلسلے میں کوئی بات نکلتی تو سیدنا عمر کے ذہن میں پہلے سے سوچی ہوئی کوئی نہ کوئی بات ہوتی۔ آپ سنا دیتے اور اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مشورے کو پسند فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد سیدنا عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد کو اپنا لیا تھا۔ آپ کے قلب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کے انوار و افکار منعکس ہوتے رہتے تھے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔

۵۔ سیّدنا عمرؓ کی خلافت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ساتھی سیّدنا ابوبکرؓ اور سیّدنا عمرؓ رات دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاموں میں آپ کا ساتھ دینے کی وجہ سے مکمل تربیت یافتہ بن چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات اجتماعی معاملات کو چلانے کی تربیت اللہ کے رسولؐ سے پا چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے تو خود ان کے لئے حالات میں کوئی تبدیلی محسوس نہ ہوئی۔ ذمہ داری کے سارے کام جو حضورؐ کی زندگی میں جیسے کرتے تھے خلیفہ بننے کے بعد بھی کرنے لگے اور دیکھا یہ تسلسل ہی ان دونوں بزرگوں کی کامیابی کا ضامن ہوا۔

سیّدنا عمرؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات اجتماعی معاملات کو چلانے کے جو تجربات ہوئے ان میں سب سے زیادہ کامیاب تجربہ انسانوں کی مکمل پہچان تھی۔ آپ نے جس شخص کو جس کام کے لئے چنا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اس شخص کو اسی کام کے لئے بنایا تھا اس سلسلے میں آپ تجربہ کی ناکامی سے کبھی دوچار نہ ہوئے۔

سیّدنا عمرؓ نے ہمیشہ اپنے ساتھیوں کی خدمات کا برملا اقرار فرمایا اس سے ایک طرف تو ان کارکنوں کی حوصلہ افزائی ہوئی دوسری طرف آپ کی حکومت کو استحکام ملا۔ سیّدنا معاذ بن جبلؓ کی حسن خدمات کے سلسلے میں فرمایا۔ "لولا معاذ لھلک عمر" اگر معاذؓ نہ ہوتے تو جو کام انہیں سونپا گیا تھا اس میں عمرؓ ناکام ہو جاتا۔ سیّدنا عبداللہ ابن مسعودؓ

کو تعلیم دینی کے لئے کوفے روانہ فرمایا تو انھیں لکھتے ہیں کہ "میں نے اپنے اُپر ترجیح دے کر ابن مسعودؓ کو تمہارے پاس بھیجا ہے۔ یعنی ابن مسعودؓ کی ضرورت مجھے تم سے کہیں زیادہ تھی۔"

سیدنا عمرؓ کی یہ خصوصیت رہی کہ آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنے اہلِ خاندان سے کوئی ترجیحی سلوک اور رعایت تو دور کی بات ہے کبھی کسی کو سرکاری عہدہ نہ دیا۔ محض اس خیال سے کہ مبادا آپ کے اہلِ خاندان حکومت کو اپنا خاندانی اور موروثی حق نہ تصور کر لیں۔ اسی طرح آپ نے حکومت کے طالب ہاشمیوں کو بھی عہدے نہ دیئے۔ کیونکہ یہ لوگ اسے اپنا موروثی حق سمجھتے تھے۔ الغرض آپ نے ہر طرح سے حکومت کے معاملات کو کسی خاندان یا قبیلے کا حق نہ بننے دیا۔ سیدنا عثمانؓ نے بنی امیہ کے قابل افراد کو ان کی اہلیت اور قابلیت کی بنا پر حکومت میں لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایران و افریقہ کی فتوحات کا جو سلسلہ سیدنا عمرؓ کے زمانے میں شروع ہوا۔ اس کی سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں تکمیل ہوئی۔ سیدنا علیؓ کے دورِ خلافت میں ایسے اہلِ خاندان جن کو ملکی اور اجتماعی معاملات میں نہ تجربہ تھا نہ صلاحیت۔ عہدے دیئے گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بنو فاطمہ اور بنو عباس جو پہلے سے موروثی حکومت کے طالب تھے ان میں طلب حکومت کا جذبہ شدید ہو گیا اور سیدنا علیؓ کو اپنے تجربے کی ناکامی کا بارہا اعتراف کرنا پڑا۔

۶۔ سیدنا عمرؓ کی فتوحات

سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں اسلام ریگزارِ عرب سے طوفان

کی طرح اٹھا۔ اور سیلاب کی طرح افضائے عالم پر چھا گیا۔ در اصل کسی دریا کے منبع سے پانی کا نکاس جتنا زوردار ہوگا وہ دریا اتنا ہی زیادہ بڑا ہوگا۔ اسی طرح قوموں کے پھیلاؤ کا اصل عامل وہ تخلیقی صلاحیتیں ہوتی ہیں جن کو پھیلا کر اپنے زیر نگیں علاقے میں کوئی فاتح قوم اپنی تخلیق سے مفتوح اقوام کے لئے نئی دنیا تعمیر کرتی ہے۔ اور مفتوحوں کے دلوں میں اپنے لئے جگہ حاصل کرتی ہے۔

سیدنا عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں ایران، عراق، شام، اور مصر پر مسلمان ابرِ رحمت بن کر چھا گئے۔ ایران اور روم کی تہذیب، تمدن اور دفاع پارہ پارہ ہوگیا۔ آپ کی فتوحات کے عوامل کا جائزہ بڑی گہری نظر سے لیا جانا چاہیے تاکہ حقیقت تک رسائی حاصل ہو سکے۔

ایران و عراق یعنی عجم کے حکمرانوں کی شان میں قصیدے کے طور پر فارسی ادب میں بڑی داستانیں موجود ہیں لیکن ان کے پس منظر میں جو استحصالی رویہ موجود ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

ایران کے حکمراں خاندانوں کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ ان کے رشتہ دار ہی فوجی اور سول عہدوں پر مامور ہوتے تھے اور پورے ملک میں پھیلے ہوئے شاہی خاندان کے فوجی اور سول عہدیداروں پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس نہ ہوتا تھا۔ دوسرے نمبر پر موبدین یعنی دین زرتشت کے وہ علما تھے جو ہر قسم کے ٹیکس سے بری تھے۔ شاہی خزانے کو بھرنے والے اہل حرف اور کاشتکار ہی تھے۔ حکمرانوں کی عیش کوشی اور ٹھاٹ باٹ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ کسریٰ ایران کا تاج ایک من سونے کا بنا ہوا تھا۔

تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا۔ صوبائی اور دوسرے حکمران بھی اسی مناسبت سے تاج آویزاں کر لیتے تھے۔ قانون سے بالاتر طبقے اپنے حرم میں صدہا عورتوں کے جھرمٹ میں رہتے تھے یہ طبقے مذہبی طور پر ذات پات بن گئے تھے اور اس ذات پات کے نظام میں تبدیلی ناممکن تھی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ایران و روم کی ملوکیت کے زیر اثر عوام کی بدحالی کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اعلم ان العجم والروم لما توارثوا الخلافة قروناً کثیرة وخاضوا فی لذة الدنیا ونسوا الاخرة تعمقوا فی مرافق المعیشة وتباهوا بها۔ وکانوا یعیرون من کان یلبس من صنادیدهم منطقة او تاجا قیمتهما دون مائة الف درهم اولا یکون له قصر شامخ وحمام وبساتین۔

جب ایران و روم کی سلطنتیں سالہا سال قائم رہیں تو ان کے حکمران آخرت کو فراموش کر کے مادی لذتوں میں غرق ہو گئے اور دنیوی راحت و آرام کی طلب میں ہمہ تن مصروف، ان کی عیش کوشی کی انتہا یہ تھی کہ اگر ان کے کسی امیر یا سردار کا سر ایک لاکھ درہم کی مالیت سے کم کے تاج سے مزین ہوتا تو وہ عوام کی طعنہ زنی کا ہدف بنتے (حجتہ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۵)

یہ قیمتی تاج اتنا وزنی ہوتا تھا کہ بادشاہ اس کا وزن برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے یہ تخت کے اوپر چھت کے ساتھ لٹکا رہتا۔ اور کسریٰ اس میں اپنا سر ڈال کر تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوتا۔ (خلاصہ تاریخ ادبیات ایران) ۹

امراء اور حکام کی ان عیاشیوں کا بار محنت کش طبقے پر پڑتا تھا۔ چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

وذالک ان تلک الاشیاء لم تکن لتحصل الا ببذل اموال خطیرۃ ولا تحصل تلک الاموال الا بالتضعیف الضرائب القوائب علی الفلاحین والتجار واشباھھم والتضییق علیھم فان ابتغوا قاتلوھم وعذبوھم وان اطاعوا جعلوھم بمنزلۃ الحمیر والبقر ثم لا تترک ساعۃ فی العناء حتی صاروا لا یرفعون رؤسھم الی السعادۃ الاخرویۃ اصلا ولا یستطیعون ذالک ۔

عیش کوشی کے یہ سامان زرکثیر کے صرف کئے بغیر نہیں بن سکتے تھے ۔ اور زر کثیر حاصل کرنے کے لئے کاشتکاروں اور تاجروں پر ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا جاتا اور ان پر جہاتِ دنیا تنگ کر دی جاتی ۔ اگر وہ ٹیکس نہ دیتے تو ان سے حکومت جنگ کرتی انھیں قتل کرتی اور انھیں سزا دیتی اگر وہ اطاعت کرتے تو ان کی حالت گدھے اور بیل کے مانند ہو جاتی ۔ انھیں اپنی محنت سے اتنا وقت ہی نہ ملتا کہ وہ سعادت اخروی کی جانب سر اٹھا کر دیکھ سکیں ۔ درحقیقت ان میں سعادت اخروی کے حصول کی استطاعت ہی باقی نہ رہتی تھی ۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۵)

محنت کش عوام سے ٹیکسوں کے ذریعہ حاصل ہونے والے اموال کو ایرانی ملوکیت اپنے اونچے طبقوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتی تھی ۔ جیسا کہ شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔

وغالب سبب خراب البلدان فی ھذا الزمان شیئان احدھما تضییقھم علی بیت المال بان یعتادوا التکسب بالاخذ منہ علی انھم من الغزاۃ او من العلماء الذین لھم حق فیہ او من ... الزین ... اعتاد الملوک صلاتھم ... الشعراء ...

والثانی ضرب الغرائب الثقیلۃ علی الزارع والتجار والمتحرفۃ والتشدید علیہم۔

ملک کی معاشی تباہی کے دو بڑے اسباب ہیں۔ سرکاری خزانے پر نکمے لوگوں کا بار کہ وہ غازی ہیں یا علماء ہیں اس لئے ان کا سرکاری خزانے پر حق ہے یا یہ کہ شاہانِ عجم کی روایت کے مطابق زہاد اور شعراء ہیں تباہی کا دوسرا سبب یہ ہے کاشتکاروں، تاجروں اور اہل حرفہ پر بھاری ٹیکس لگائے جائیں تا کہ اوّل الذکر طبقوں کی پرورش ہو سکے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ صـ۱۰۵)

ہمارے تاریخ نگاروں میں سے دینوری نے خاص طور پر اس کا ذکر کیا ہے کہ کسریٰ نوشیرواں نے زمین پر لگان کے چار درجے مقرر کئے تھے لیکن بڑے خاندانوں، رئیسوں، سپہ سالاروں، سیکریٹریوں اور بادشاہ کے خدمت گاروں کو لگان سے مستثنیٰ قرار دیا تھا۔

(الاخبار الطوال اردو ترجمہ صـ۱۰۱)

جس نوشیرواں کو عادل کہتے ہوئے ہمارے فارسی ادیبوں کی زبان نہیں تھکتی۔ اس کے عدل کا یہ حال ہے کہ ٹیکسوں کا بوجھ صرف نچلے طبقوں پر ڈالتا ہے اور اونچے طبقوں کو ہر قسم کے ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔

شام و مصر میں عیسائیوں کے توحید پرست گروہوں کو انتہائی درندگی کے ساتھ کچل کر رکھ دیا گیا تھا۔ اسی طرح مملکتِ روم میں یہودیوں پر شدید مظالم ڈھائے جاتے تھے یہی وجہ ہے کہ یہ فرقے پناہ کے لئے عرب کے جنوب اور وسطی علاقے میں پہنچ کر آباد ہو گئے تھے۔

نظم جی ... الرشد کی خلافت میں ... حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی بغاوت میں مسلمانوں نے دم! دا اول دیا۔ بے شک لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن ان ممالک کے مظلوم طبقے جو اکثریت میں تھے اپنے آقاؤں کے دفاع کے لئے نہ آئے۔ یہ جنگیں ظالم حکمرانوں اور ان کے زرخرید پیشہ ور سپاہیوں نے لڑیں۔ ظاہر ہے کہ عوام کے تعاون کے بغیر ایران اور روم کی ظالم حکومتیں کامیاب نہ ہوسکتی تھیں چنانچہ یہی ہوا اور مفتوحہ علاقوں کے مظلوم عوام نے نئے حکمرانوں کا پوری گرم جوشی سے استقبال کیا اور اسلام میں جوق در جوق داخل ہو گئے۔

آرنلڈ صاحب نے اپنی کتاب "دعوت اسلام" میں لکھا ہے۔

"لیکن شہروں کے باشندوں، پیشہ وروں، اور کاریگروں نے بڑی گرم جوشی سے اسلام کا خیر مقدم کیا۔ زرتشتی مذہب کی رو سے ان پیشہ ورانہ مشاغل نے ان کو نجس بنا دیا تھا۔ کیونکہ انھوں نے اپنی تجارت یا صنعت کے دوران میں آگ، زمین، اور پانی کو ناپاک کر دیا تھا۔ لہٰذا ان کی شریعت کی نظروں میں وہ ملیچھ یعنی ناپاک تصور کئے جاتے تھے اور حقارت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ چنانچہ اس قبیل کے لوگوں نے بڑے ذوق و شوق سے اسلام ایسے مذہب کو اختیار کیا جس نے ان کو فوراً احرار بنا دیا۔ اور اسلامی برادری میں سب کے برابر درجہ دیا۔ (دعوت اسلام صفحہ ۲۱۰-۲۱۱)

ایران و روم کی حکومتیں آپس میں دست و گریباں رہتی تھیں۔ اور شکست کی صورت میں وہاں کے عوام پر ایک قیامت بیت جاتی تھی۔ لیکن صحابہ کرامؓ کی شکل میں جو نئے حکمراں ان ملکوں پر مسلط ہوئے۔ انھوں نے ظالم حکمرانوں، ان کے رؤسا اور امراء کو تو ختم کر دیا لیکن عوام

پر ایسے عادلانہ طریقے سے حکومت کی کہ زندگی میں پہلی بار انھیں یہ محسوس
ہوا کہ حکومت کا کام غریب عوام کی فلاح و بہبود اور ان کے جان و مال
کی حفاظت کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ عوام کی اکثریت اپنے فرشتہ سیرت
حکمرانوں کے دین، ان کی تہذیب اور ان کے اخلاق کو اپنانے کے
لئے ایک دوسرے پر سبقت لیجانے لگی۔ اس طرح صحابہ کرامؓ کی تلواروں
نے یہ ممالک فتح کئے اور ان کے اعلیٰ اخلاق نے عوام کے دلوں کو
فتح کیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلام ان سارے علاقوں کا عوامی مذہب
بن گیا۔ شخصی، موروثی، اور ظالمانہ حکومت کی جگہ اسلام کا شورائی
جمہوری نظام کامیابی سے نافذ ہوا جس میں ہر شخص اپنے حقوق سے
متمتع ہوتا اور اپنے فرائض ادا کرتا۔ حکام ان کے حقوق کے محافظ
تھے اور عوام کو یہ حقوق حکام نے نہیں اللہ اور اس کے رسولؐ نے دیئے
تھے اور اللہ اور رسولؐ کے سامنے عام آدمی اور حاکم وقت میں کوئی فرق
نہ تھا۔ ظالم حکومتوں کے سینکڑوں ٹیکس ختم ہوئے۔ افراد پر معمولی سی رقم
بطور جزیہ لگی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ بھی منسوخ ہو گئی۔ زمینوں
پر خراج مقرر ہوا۔ اس مقررہ خراج کے علاوہ ساری آمدنی کاشتکاروں
کی اپنی تھی اب ان پر کوئی دہقان، زمیندار، جاگیردار، گورنر اور بادشاہ
نہ رہا جس کے حصے کے ٹیکس الگ الگ ان کی آمدنیوں میں سے وضع
ہوتے رہتے تھے۔

غیر عرب اقوام کو دائرۂ اسلام میں لانے کے سلسلے میں سیدنا
فاروق اعظمؓ کا قانونی اور معاشی عدل سب سے اہم عامل تھا، عراق،
ایران، شام اور مصر کے لوگوں پر جو آگے چل کر مسلمان ہو گئے۔ ان کی

موجودہ اور آئندہ نسلوں پر سیدنا عمر فاروقؓ اور صحابہ کرامؓ کا یہ احسان تاقیامت باقی رہے گا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے نتیجے میں اللہ پاک نے سیدنا عمرؓ کا جو انتخاب فرمایا تاکہ آپ کے ذریعے سے اسلام کو عزت ملے۔ اسی دعا کا یہ نتیجہ نکلا کہ سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں ممالکِ مشرق وسطیٰ میں اسلام کو ایسی عزت ملی کہ آج تک ان علاقوں میں اسلام اور مسلمانوں کو عزت حاصل ہے۔ یہ سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت کی برکات ہیں کہ اس رنگ میں سیدنا عمرؓ کا فیض آج بھی جاری ہے۔ اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ البتہ جن لوگوں کے حواسِ خمسہ کو اللہ نے معطّل کر دیا وہ اس احساس سے آج تک محروم ہیں۔

۷۔ سیدنا عمرؓ کی معاشی حکمتِ عملی

اسلام سے قبل ایران، روم، عراق، اور مصر، وغیرہ ممالک پر جب کسی بیرونی حملہ آور کا قبضہ ہو جاتا تو شخصی حکومتوں کے قانون کے مطابق اس کے حکام، امراء اور جاگیرداروں کو محکوم عوام پر مسلّط کر دیا جاتا۔ اور حکمران طبقے غریبوں کی محنت کو لوٹ کر خود دادِ عیش دیتے۔

سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں جب عراق فتح ہوا تو فاتح مجاہدین یہ سمجھ رہے تھے کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے قرآنی قانون کا وہاں کی زرعی اراضی پر اطلاق ہوگا۔ اور حکومت پانچواں حصہ لیکر باقی حصے مجاہدین میں تقسیم کر دے گی۔ لیکن اس قرآنی قانون

کی باریکیوں پر سیدنا عمرؓ کی نظر تھی۔ تقسیم غنیمت کی اسی آیت میں "والذین جاؤا من بعدہم" کے الفاظ بھی تھے کہ مالِ غنیمت میں مہاجرین و انصار کے علاوہ ان کے بعد آنے والوں کا بھی حق ہے۔ (الحشر)

سیدنا عمرؓ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر اراضی مجاہدین میں تقسیم کر دی جائیں تو بعد میں آنے والوں کے لئے کیا رہ جائے گا۔ چنانچہ آپ نے طے کر لیا کہ ان اراضی پر تمام بعض باشندوں کو ہی رہنے دیا جائے اور ان سے خراج وصول کیا جاتا رہے۔ اس خراج کی رقم میں سے مہاجرین، انصار اور ان کے بعد آنے والے مستحقین کو دیا جاتا رہے۔ صحابہ کرامؓ نے سیدنا عمرؓ کے اس اجتہاد کو تسلیم کر لیا اور اس پر اجماعِ صحابہؓ ہو گیا۔

سیدنا عمرؓ کی فکر کے پس منظر میں یہ بات تھی کہ اسلام کا مقصد ممالک کو فتح کر کے مجاہدین کے لئے لامحدود جائیدادیں بنانا نہیں ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے کے حکام اور بادشاہ کیا کرتے تھے۔ جائیدادیں، زمینداریاں اور جاگیرداریاں حاصل کر کے مسلمانوں میں بھی ایسے ترجیح یافتہ اور خوشحال طبقے پیدا ہو سکتے تھے جو بلا محنت کی کمائی کے عادی ہو جاتے اور محنت کش ان کا بوجھ اٹھاتے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کی اس حکمت عملی نے مسلمانوں میں طبقہ واریت کو پیدا ہی نہ ہونے دیا اس طرح اسلامی مساوات کو کسی ترجیح یافتہ طبقے کے خطرے سے دوچار نہ کیا۔ اور مفتوحہ اراضی کو وقف علیٰ بیت المال قرار دے کر سب کا کفیل بنا دیا۔ (تفصیلات کے لئے امام ابو یوسف کی کتاب الخراج اور امام ابو عبید کی کتاب الاموال دیکھئے)

سیدنا فاروق اعظمؓ کی حکمت عملی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مفتوح کاشتکاز اپنی اراضی کے عنقاً ... یہ تمام ... اکثر ... ممالک کی ... گئے

جو خراج کے عوض اِن مالکان کے تصرف میں رہیں محکوم عوام کو اپنی جائیدادوں پہ باقی رکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب حکمرانوں اور ایرانی عوام کے درمیان ایرانی قوم پرستی کی کوئی خلیج حائل نہ ہو سکی۔ ایسا نہ کیا جاتا تو مفتوحہ ممالک میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ ہمارے ملک کی جائیدادوں پر بیرونی حملہ آوروں نے قبضہ کر لیا ہے۔ انجام یہ ہوتا کہ ایرانی قوم پرستی کا جذبہ اُبھرتا۔

سیدنا عمرؓ نے خود عرب میں اسی حکمت عملی پر عمل فرمایا۔ سیدنا بلالؓ بن رباح نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بنجر اراضی حاصل کی جو ان کی قوتِ کاشت سے کہیں زیادہ تھی۔ سیدنا عمرؓ نے حسب فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بلالؓ سے کہا کہ یا تو ساری زمین زیرِ کاشت لاؤ ورنہ اپنی قوتِ کاشت کے مطابق رکھ کر باقی زمین مستحق افراد کو دیدو۔ اور انھیں ایسا کرنا پڑا۔ مطلب یہ نکلا کہ سیدنا عمرؓ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں کسی مسلمان کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ بڑی بڑی زمینیں قبضے میں رکھ کر انھیں بنجر چھوڑ دے اور صرف کسی ایک حصّے کو زیرِ کاشت لائے یا دوسروں کو بٹائی پر دے۔ زمین اس کو ملنی چاہیے جو اس پر خود محنت کر کے پیداوار حاصل کر سکتا ہو۔ محض ملکیت اور جائیداد کے طور پر رکھنے والا اس کا حقدار نہیں ہے کیونکہ زمین اللہ کی ہے اُس سے فائدہ اٹھانے کی حد تک انسان اس کا مالک ہے جس سے فائدہ نہیں اٹھاتا اس کا مالک بھی نہیں رہ سکتا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کا اسی قسم کا ایک اہم فیصلہ قابلِ ذکر ہے۔ بیت المال میں صدقات کے جانوروں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو انکی پرورش کے لئے آپ نے مدینے کے قریب ربذہ نامی سرسبز و شاداب

علاقے کی اراضی کو سرکاری چراگاہ قرار دیا اور اس اراضی کی کوئی قیمت آپ نے اہلِ ربذہ کو نہ دی آپ کے اس فیصلے کے خلاف اہلِ ربذہ اپیل کرنے آئے اور کہا اے امیر المومنین ! ہم حالتِ کفر میں بھی اِن اراضی کے مالک تھے۔ اِسی حالت میں ہم ایمان لائے اور ان اراضی کے مالک رہے۔ یہ اراضی ہم سے نہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لیں اور نہ خلیفہ بلافصل سیدنا ابوبکرؓ نے سیدنا عمرؓ نے جواب میں فرمایا، کہ اگر بیت المال کے مویشی نہ ہوتے تو میں ہرگز آپ کی اراضی کو سرکاری چراگاہ قرار دیتا۔ پھر فرمایا۔

"المال مال اللہ والخلق عیال اللہ۔ مال و جائداد کا حقیقی مالک تو اللہ پاک ہی ہے اور اس کی مخلوق اس کے عیال ہیں۔ جن کی پرورش کے لئے میں نے اس اراضی کو سرکاری چراگاہ قرار دیا ہے۔ (کتاب الخراج امام ابویوسف، کتاب الاموال امام ابوعبیدہ)

سیّدنا عمرؓ کے مذکورہ بالا فیصلے کی امام بخاریؒ بھی اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں۔ وھوا ھٰذا :۔

سیّدنا عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے ایک غلام ہُنیّ کو ایک چراگاہ پر نگران مقرر کیا اور اس کو ہدایت کی کہ مسلمانوں کے ساتھ عاجزی سے پیش آنا مظلوم کی بددعا سے بچنا، اور اس چراگاہ میں۔ ان لوگوں کے مویشی داخل ہونے دینا جن کے پاس تھوڑے اونٹ اور تھوڑی بکریاں ہیں۔ اور خبردار! عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور عثمانؓ بن عفان کے جانوروں کے ریوڑ کو اس میں نہ آنے دینا۔ کیونکہ اگر ان کے مویشی ہلاک بھی ہو جائیں تو وہ کھیتی اور باغ سے گذر بسر کرلیں گے لیکن تھوڑے جانور رکھنے والے لوگوں کے مویشی

اگر ہلاک ہو جائیں تو وہ اپنے اہل و عیال سمیت بیت المال پر بوجھ بن جائینگے۔ ایسے وقت ان کو سونا چاندی دینے کی بہ نسبت یہ بات آسان ہے کہ انکے مویشیوں کے چارے کا انتظام کر دیا جائے۔

پھر آپ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ لوگ خیال کرتے ہوں گے کہ میں نے ان کی اراضی لے کر ان پر ظلم کیا ہے اس لئے کہ یہ سب شہر انھیں کے ہیں۔ انھیں کی حفاظت کے لئے انھوں نے جاہلیت میں جنگیں کیں۔ اور جب وہ اسلام لائے تب بھی وہ ان پر قابض تھے۔ خدا کی قسم اگر جہاد میں کام آنے والے جانور نہ ہوتے تو ان کی ایک بالشت زمین بھی سرکاری قبضے میں نہ لی جاتی۔ (صحیح بخاری جلد ۱ کتاب الجہاد باب اذا اسلم قوم فی دار الحرب)

امام بخاریؒ نے جو باب باندھا وہ یہ ہے کہ اذا اسلم قوم فی دار الحرب یعنی دار الحرب میں ایک قوم مسلمان ہو جاتی ہے تو اس کی ملکیتیں اور جائیدادیں سب اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے فرمان کے مطابق حسب ضرورت ان کی ملکیت سے الگ کی جا سکتی ہیں۔

دوسرا اہم نکتہ اس روایت میں یہ ہے کہ ربذہ کوئی ریگستان بنجر اور اجاڑ علاقہ نہ تھا۔ بلکہ ایک سرسبز و شاداب قطعۂ زمین تھا۔ آگے چل کر جب سیدنا عثمانؓ کے خلاف خارجیوں نے بغاوت کی اور اس دوران سیدنا ابو ذرؓ اپنی مرضی سے مدینہ چھوڑ کر اس سرسبز و شاداب علاقے میں آکر رہنے لگے تو دروغ گو راویوں نے محض سیدنا عثمانؓ کو بدنام کرنے کے لئے ربذہ کو ایک ریگستان اور اجاڑ خطہ لکھنا شروع کیا۔ اور اسی دروغ کو فروغ دیا۔

۸۔ "سیدنا عمر فاروقؓ اور تنظیم زکوٰۃ"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ فرض ہوتے ہی وصولئ زکوٰۃ کے لیے اپنی طرف سے عامل مقرر فرمائے۔ صحیحین میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر فاروقؓ کو وصولئ زکوٰۃ پر مامور فرمایا۔ آپ لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔ سیدنا عباسؓ، سیدنا جمیلؓ اور سیدنا خالدؓ بن ولید ان تینوں میں سے کسی نے زکوٰۃ ادا نہ کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالدؓ کے بارے میں فرمایا کہ ان کے پاس کیا رکھا ہے۔ وہ تو اپنی آمدنی سے اسلحہ خرید کر جہاد فی سبیل اللہ کے لئے رکھ چھوڑتے ہیں۔ ابن جمیل پہلے مفلس تھے اب مالدار ہو گئے ہیں اس لئے مال کی محبت میں گرفتار ہیں۔ رہ گئے عباسؓ تو ان سے دوگنی زکوٰۃ لی جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی طرف سے میں ادا کروں گا کیونکہ چچا باپ کی جگہ ہوتا ہے۔

لیکن بحث یہ ہے کہ ایک شخص جس پر زکوٰۃ فرض ہے وہ دینے سے انکار کردے تو اس کی جگہ دوسرا شخص اپنی آمدنی میں سے اس کے نام پر کس طرح زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ نماز بھی فرض ہے۔ اگر ایک شخص نماز پڑھنے سے انکار کردے تو کیا دوسرا شخص اس کی طرف سے پڑھ سکتا ہے؟ اور اس سے پہلے شخص کا فرض ادا ہو جاتا ہے؟ روایات سند کے اعتبار سے صحیح ہونے کے باوجود متن میں اندرونی تضاد کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہو جاتی ہیں۔ اور شبہ ہوتا ہے کہ سیدنا عباسؓ کے وقار کو سنبھالا دینے کے لئے بنو عباس کے دور میں ایسی روایات

بنائی گئی ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فریضہ زکوٰۃ کو باقاعدہ اور منظم ادارے کی شکل دے دی۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے تو منکرین زکوٰۃ سے جہاد کر کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ تنظیم کو باقی رکھا اسی اسوۂ حسنہ کی پیروی سیدنا عمرؓ نے کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات آپ کو تجربہ ہو چکا تھا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کریں۔ اس لئے آپ ہر صاحب نصاب کی سال بھر کی آمدنی خرچ اور بچت کا حساب دیکھ کر اس پر عائد شدہ زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ قرض دینے والے کی رقم چونکہ واپس ملنے کی امید ہوتی ہے اس لئے اس پر بھی زکوٰۃ عائد کرتے تھے۔ (تفصیلات کے لئے دیکھو ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہؒ فقہ عمر از ابو یحیٰی

امام خاں نوشہروی)

مال تجارت کی درآمد برآمد پر غیر مسلم حکومتیں دس فیصد چنگی ٹیکس وصول کرتی تھیں۔ سیدنا عمرؓ نے تاجروں کے مال تجارت پر عشر عائد فرمایا۔

الغرض سیدنا عمرؓ نے زکوٰۃ کی تنظیم ایسے پختہ طریقے پر کی کہ اہل نصاب کے لئے اس سے بچ نکلنے کے لئے راستے مسدود ہو گئے۔

۹ "سیدنا عمرؓ اور تقسیم دولت"

سیدنا عمرؓ خود کو یتیموں کے مال کے نگراں کی مانند سمجھتے تھے۔

خراج، زکوٰۃ، صدقات، اوقاف، وصیت، ہبہ وغیرہ ذرائع سے جو رقم بیت المال کو آئے والی ... ... عام

دیں کو ملتا تھا اپنے حکام اور گورنروں کو مال جمع کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ بعض صورتوں میں جائز طور پر کمائے ہوئے مال میں سے بس نصف بحق سرکار ضبط کر لیتے تھے اور کبھی ساری کمائی لے لیتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ بحرین کے عامل تھے اپنے طور پر گھوڑوں کی تجارت کر کے دس ہزار درہم کمائے۔ سیدنا عمرؓ نے یہ رقم واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دی۔ یہ اس لئے کیا کہ عامل ہمہ وقتی ملازم ہوتا ہے اور الگ سے اپنا ذاتی کاروبار کرنے کا مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ حکومت ضروریات زندگی کی کفیل نہیں یا ضرورت سے کم تنخواہ دیتی ہے۔ حالانکہ یہ بات نہ تھی۔ نیز الگ سے کاروبار کرنے میں ہوس زر کا غیر اسلامی جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس انداز کسب میں اگر کوئی ابوہریرہؓ کی طرح دیانتدار بھی ہو تو دوسرے لوگوں کے لئے یہ ذریعہ عمل بہت سے غیر اسلامی کھیلوں کا ذریعہ بن سکتا تھا۔ اس طرح سیدنا عمرؓ نے سرکاری ملازمین کا ترجیح یافتہ طبقہ

پیدا ہی نہ ہونے دیا۔

سرکاری ملازم سول ہوں یا فوجی کسی کو بھی زندگی بھر کی پنشن، آپ نے نہ دی کیونکہ آپ کی حکومت اپنے عوام کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کی ذمہ دار تھی۔ اس لئے بڑھاپے میں افراد اور ان کے اہل خانہ کی کفالت مرکزی بیت المال کے ذمے تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے معاشرے میں سرکاری ملازم اونچے اور ترجیح یافتہ طبقے کی شکل اختیار نہ کر سکتے تھے۔

تالیف قلب کے لئے نومسلموں کو دیئے جانے والے وظائف آپ نے بند کر دیئے۔ اور صاف فرمادیا کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب

ان کے دلوں میں اسلام کمزور تھا۔ اسی طرح خمس کو آپ نے رسول اللہ کے رشتہ داروں میں مخصوص نہیں فرمایا۔ تاکہ حضور کے خاندان اور قبیلے کے افراد رزق حلال کے حصول کی کوشش سے بے نیاز امت کی مالیات پر بوجھ اور بلا محنت کی کمائی کھانے والے نہ بنیں۔ عامۃ المسلمین کی طرح ان کو بھی سارے حقوق حاصل تھے۔ آپ نے کسی کے ساتھ عامۃ المسلمین سے الگ کوئی سلوک روا نہ رکھا۔

آخری ایام میں آپ نے فرمایا تھا کہ میں عراق کی بیوہ عورتوں کو اس سے بے نیاز کردوں گا کہ وہ کسی کی محتاج رہیں۔ اپنی شہادت سے پہلے آپ معاشی مساوات کی تکمیل کا ارادہ فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:۔ جو بات آج میری سمجھ میں آتی ہے اگر اس سے پہلے سمجھ جاتا تو مالداروں سے زائد از حاجت مال لے کر حاجتمندوں میں تقسیم کردیتا۔ تاکہ سب برابر ہو جاتے۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ:۔ اگر آئندہ سال تک زندہ رہا تو کم وظیفہ پانے والوں کو زیادہ وظیفہ پانے والوں کے برابر کردوں گا۔ ...... لالحقن اولھم باخراھم (

مکمل معاشی مساوات کے قیام کے لئے آخری قدم اٹھانے کی مہلت آپ کو نہ ملی اور مفاد پرست سازشیوں نے آپ کو شہید کردیا۔

۱۰۔ سیدنا عمرؓ کی شہادت

سیدنا عمرؓ کی شہادت تاریخ اسلام کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ آپکی شہادت کے بعد اسلام میں فتنوں کے دروازے چوپٹ کھل گئے۔

سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ صاحب سرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتے تھے۔ انھیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ پرداز منافقین کے نام بتائے تھے۔ سیدنا عمرؓ کسی ایسے شخص کی نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہوتے تھے جس میں سیدنا حذیفہؓ شریک نہ ہوں۔ انھیں سیدنا حذیفہؓ سے امام بخاریؒ نے یہ روایت کی ہے۔

قال لیس علیک منھا بأس یا امیر المومنین ان بینک وبینھا باباً مغلقاً قال ایکسر ام یفتح قال یکسر قال اذاً لا یغلق ابداً۔

فقال الباب عمرؓ۔ سیدنا حذیفہؓ نے امیر المومنین سیدنا عمرؓ سے کہا کہ فتنوں سے آپ کو کوئی اندیشہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ ان کے اور آپ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا کہ یہ دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ سیدنا حذیفہؓ نے کہا توڑا جائے گا۔ سیدنا عمرؓ نے کہا پھر تو یہ دروازہ قیامت تک بند نہ ہو سکے گا۔ پھر سیدنا حذیفہؓ نے کہا کہ یہ دروازہ خود سیدنا عمرؓ کی ذات ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ کفارۃ)

تاریخِ اسلام کے اس اہم گیر المیے کے عوامل و اسباب کی تلاش میں بڑے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ ہماری روایات صرف اتنا بتاتی ہیں کہ ابو لولو فیروز جو سیدنا مغیرہ بن شعبہؓ کا غلام تھا، اس نے سیدنا عمرؓ سے اپنے مالک کی طرف سے عائد کردہ خراج کی زیادتی کی شکایت کی۔ سیدنا عمرؓ نے اس خراج کو جائز قرار دیا۔ اس کے بعد ہی اس ایرانی کاریگر نے سیدنا عمرؓ پر وار کر کے آپ کو شدید زخمی کر دیا۔ نتیجے میں آپ شہید ہو گئے۔ لیکن یہ روایت اس گتھی کو نہیں سلجھاتی۔ کیونکہ شکایت تو سیدنا

مغیرہ بن شعبہ سے تھی۔ اس غلام نے اپنے مالک پر وار کیوں نہ کیا۔ اور امیر المومنین رض کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کیوں کی۔؟ سیدنا عمر رض اس عجمی غلام کی راہ میں کس طرح رکاوٹ تھے؟ ظاہر ہے کہ ایک غلام اتنی اونچی سیاسی فکر نہیں رکھ سکتا تھا۔

ایک شیعہ مورخ دینوری اپنی کتاب میں سیدنا عمر رض پر حملے اور آپکی شہادت کو یکسر نظر انداز کیوں کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے۔

ماہ ذوالحجہ ۲۳ھ کی چار راتیں باقی تھیں کہ حضرت عمر رض جمعے کے روز رحلت فرما گئے۔ (الاخبار الطوال۔ دینوری اردو ترجمہ ص ۲۶۹)

تاریخ طبری کی روایت اس گتھی کو سلجھانے میں مدد دیتی ہے۔ وھو ھذا:۔

حضرت سعید بن المسیب روایت کرتے ہیں کہ جس صبح کو سیدنا عمر رض پر حملہ کیا گیا اس سے ایک دن پہلے شام کو سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رض ابولولوء کے پاس سے گزرے۔ اس کے ساتھ جفینہ اور ہرمزان بھی تھے وہ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ جب ان کو دھمکایا گیا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ان کے پاس سے ایک خنجر گر گیا جس کے دو سرے تھے اور اس کے درمیان اس کی دھار تھی۔ سیدنا عبدالرحمٰن فرماتے ہیں۔ تم غور کرو وہ کس چیز سے شہید ہوئے تھے۔ چنانچہ جب وہ قاتل مسجد میں حملہ کرکے واپس نکلا تو اس کے تعاقب میں قبیلہ تیمیہ کا ایک شخص گیا۔ اس نے ابولولو کو جاتے وقت پکڑ لیا اور قتل کر ڈالا (طبری اردو ترجمہ ج ۳ ص ۳۱۲)

طبری کی ایک روایت اس سازشی گروہ کے ایک نومسلم

یہودی کعب الاحبار کی دیدہ دلبری کی یوں شہادت دیتی ہے:۔
جب دوسرا دن ہوا تو کعب الاحبار آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔
اے امیر المومنین میرا خیال ہے آپ تین دن میں وفات پاجائیں گے۔ آپ نے دریافت کیا تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ وہ بولے مجھے اللہ بزرگ و برتر کی کتاب توراۃ میں یہ بات نظر آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں عمرؓ بن الخطاب کا نام بھی توراۃ میں ملا ہے؟ وہ کہنے لگے آپ کا نام تو نہیں آپ کا حلیہ اور صفت موجود ہے۔
(طبری اردو ترجمہ ج ۳ باب ۱۲۔ صـ ۱۴۲ ـ ۱۴۱)
انہیں کعب الاحبار کے بارے میں امام بخاری نے سیدنا معاویہؓ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ انہیں دروغ گو سمجھتے تھے۔ اور ان کی بات کا اعتبار نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ اہل کتاب کے اکاذیب روایت کرتے تھے۔ (بخاری)
چنانچہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے بھی موصوف کی بات پر دھیان نہ دیا۔ دوسری بات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ کعب الاحبار سیدنا عمرؓ کے خلاف ہونے والی سازش سے باخبر تھے۔ بہرحال سیدنا عمرؓ کے خلاف بےچینی آخر کن لوگوں میں پائی جاتی تھی۔ اس کا کھوج لگانا ضروری ہے۔
اس پس منظر میں بخاری کی ایک روایت بڑی عجیب ہے سیدنا ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سیدنا عمرؓ نے اپنا آخری حج کیا۔ حج کے دوران سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف آپ سے ملنے آئے، وہاں

کسی شخص نے آپ کے پاس حاضر ہو کر یہ خبر سنائی۔

یا امیر المومنین ھل لک فی فلان یقول لو قد مات عمرؓ لقد بایعت فلاناً، فواللہ ما کانت بیعۃ ابی بکرؓ الا فلتۃ فتمت۔

اے امیر المومنین آپ کو فلاں شخص کے بارے میں خبر ہے جو کہتا ہے کہ اگر عمرؓ مر جائیں تو میں فلاں سے بیعت کر لوں گا۔ خدا کی قسم ابو بکرؓ کی بیعت اتفاقیہ تھی۔ جو پوری ہو گئی۔ (بخاری ج ۲ باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت)

روایت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ کہنے والا یہ کہنا چاہتا ہے کہ جس طرح اچانک سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت ہوئی پھر پوری ملتِ اسلامیہ نے اسے قبول کر لیا۔ اسی طرح سیدنا عمرؓ کی وفات کے بعد وہ بھی اپنی پسند کے ایک آدمی سے بیعت کرے گا تو ملتِ اسلامیہ اسے بھی اسی طرح قبول کرے گی جس طرح سیدنا ابو بکرؓ کی بیعت کو قبول کر لیا گیا تھا۔ دوسری بات جو اس روایت سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ ایسا کہنے والا کم از کم سیدنا عمرؓ کی وفات کا منتظر تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کہنے والے کو سیدنا عمرؓ کے خلاف ہونے والی سازش کا علم ہو۔ بلکہ اس سازش کی کامیابی کا یقین ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

روایت میں آگے چل کر بتایا ہے کہ سیدنا عمرؓ یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا۔

انی ان شآء اللہ لقائم العشیۃ فی الناس فمحذرھم ھؤلاء الذین یریدون ان یغصبوا امورھم۔

اللہ نے چاہا تو میں شام کو لوگوں میں کھڑا ہو کر ان کو ایسے لوگوں سے ہوشیار کر دوں گا جو ان کے امورِ حکومت کو غصب کرنا

چاہتے ہیں۔

سیدنا عمرؓ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کہنے والا ایک شخص نہ تھا یہ ایک جماعت تھی۔

بہرحال روایت میں ہے کہ سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ نے آپ کو مکہ میں تقریر کرنے سے منع کیا۔ اور کہا یا امیر المومنین لا تفعل فان الموسم یجمع رعاع الناس وغوغاءھم فانھم ھم الذین یغلبون علی قربک حین تقوم فی الناس وانا اخشی ان تقوم فتقول مقالۃ یطیرھا عنک کل مطیر وان لا یعوھا وان لا یضعوھا علی مواضعھا۔

اے امیر المومنین آپ ایسا نہ کیجیے کیونکہ حج کا موقع ہے اس میں جاہل اور پست لوگ بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ یہی لوگ آپ کو سنیں گے تو آپ کے مطلب کو صحیح طور پر سمجھ سکیں گے نہ یاد رکھ سکیں گے بلکہ اڑانے والے اس کو اڑا لیں گے اور آپ کا مطلب بدل ڈالیں گے۔

سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام حج میں سیدنا عمرؓ کی وفات کے بعد ہونے والے خلیفہ کے لئے افواہ اڑائی گئی تھی۔ اگر وہاں سیدنا عمرؓ عوام سے خطاب کرتے تو بدو دیہاتی جو امور سیاست سے واقف نہ تھے اس اہم بات کا مطلب نہ سمجھ سکتے اور افواہ اڑانے والے جو لوگوں میں موجود تھے وہ مزید افواہیں اڑا کر انتشار پیدا کر دیتے۔

سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ نے کہا:

فامھل حتی تقدم المدینۃ فانھا دار الھجرۃ والسنۃ فتخلص باھل الفقہ واشراف الناس فتقول ما قلت متمکنا فیعی

اہل العلم مقالتک ویضعوہا علی مواضعہا۔ یعنی مدینہ پہنچنے تک آپ توقف فرمائیں کیونکہ مدینہ دار الہجرت اور دار السنہ ہے۔ دار الخلافہ ہے۔ سمجھدار اور سربراہ لوگوں، (صحابہ کرام) کے سامنے آپ جو کہنا چاہیں کہیں تاکہ اہل علم آپ کی بات کو یاد رکھیں اور صحیح طور پر اس کا مطلب سمجھیں۔

بالآخر سیدنا عمرؓ نے مدینہ پہنچ کر جمعہ کی نماز کے وقت تقریر میں فرمایا۔

اما بعد فانی قائل لکم مقالۃ قد قدر لی ان اقولہا لا ادری بین یدی اجلی فمن عقلہا ووعاہا فلیحدث بہا حیث انتہت بہ راحلتہ ومن خشی ان لا یعقلہا فلا یحل لاحد ان یکذب علی۔ آج میں تم سے ایسی بات کہنے والا ہوں جس کا کہنا میرے لئے مقدر ہو چکا ہے میں نہیں جانتا کہ شاید یہ میری موت کا پیش خیمہ ہو۔ جو میری بات کو سمجھ لے اور یاد کر لے وہ جہاں پہنچے اس بات کو پہنچائے اور جس کو یاد نہ رہے اور جو سمجھ نہ سکے وہ میرے بارے میں جھوٹی افواہیں نہ پھیلائے۔

اس کے بعد آپ نے اصل مسئلہ پر روشنی ڈالی۔

ثم انہ بلغنی ان قائلاً منکم یقول واللہ لو مات عمر بایعت فلاناً فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ و تمت الا وانہا قد کانت کذالک ولکن اللہ وقی شرہا و لیس منکم من تقطع الاعناق الیہ مثل ابی بکر فمن بایع

رجلاً عن غیر مشورۃ من المسلمین فلا یبایع ھو ولا الذی بایعہ تغرۃ ان یقتلا۔

مجھے خبر ملی ہے کہ تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کی قسم اگر عمرؓ مر جائیں تو میں فلاں سے بیعت کر لوں گا۔ تمہیں کوئی شخص یہ کہکر دھوکہ نہ دے کہ ابو بکرؓ کی بیعت اتفاقیہ تھی اور پھر وہ پوری ہو گئی سُن لو وہ ایسی ہی تھی لیکن اللہ نے اس کے شر سے محفوظ رکھا اور تم میں سے کوئی نہیں جس کی فضیلت ابو بکر جیسی ہو جس شخص نے کسی کے ہاتھ پر مسلمانوں سے مشورہ کئے بغیر بیعت کر لی تو نہ اس کی نہ اس کے تابع کی بیعت کی جائے کیونکہ وہ دونوں قتل کر دیئے جائیں گے۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ ایسا کہنے والا مدینے کا شہری تھا اور مدینے میں کچھ لوگ تھے جو مسلمانوں کا سیاسی حق غصب کرنا چاہتے تھے اور اپنی مرضی سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ یہ لوگ سیدنا عمرؓ کی عمر و صحت وغیرہ کے اندازے سے آپ کی موت کے منتظر تھے۔ یا اس سازش سے باخبر تھے جو سیدنا عمرؓ کے خلاف ہو رہی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان شر پسندوں کی شرارت کے سدِ باب کے لئے سیدنا عمرؓ نے امور مملکت میں مسلمانوں کے مشورے کو ان کا سیاسی حق اور شر پسندوں کو اس حق کے غاصب قرار دیا۔ مدینہ منورہ میں صحابہ کرامؓ کے سامنے آپ کی اس تقریر نے وہی کام کیا جو ایک سربراہ مملکت آج کل اپنے ملک کے ارباب حل و عقد یعنی اراکین پارلیمنٹ کے سامنے پالیسی اسٹیٹمنٹ پر بیان دیتا ہے۔ اس طرح عوام کے سامنے آ یکر

پالیسی کی وضاحت صحابہ کرامؓ کے ذریعے ہوئی اور صحابہ کرامؓ کے مخالف سازشی گروہ کی سازش کو فاش کر دیا گیا۔ اس طرح حکومت پر غاصبانہ قبضے کی کوشش بہرحال ناکام ہوئی۔ الغرض یہ روایت سیدنا عمرؓ کے خلاف خالص عربی بلکہ مدنی سازش کی غمازی کرتی ہے۔

بہرحال یہ روایت صاف بتا رہی ہے کہ کچھ اقتدار پسند لوگ سیدنا عمرؓ کی خلافت کے آخری دور میں بڑی بے صبری کا مظاہرہ کر رہے تھے اور ایام حج میں عامۃ المسلمین کے سامنے سیاسی انتشار پھیلانے کی باتیں کر رہے تھے اور شوریٰ کے بغیر خلافت پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھے یہ کون شخص تھا اور کس شخص کی بیعت کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بارے میں امام بخاری کی روایت خاموش ہے۔

اس گتھی کے حل کے لئے یہ دیکھنا زیادہ مفید ہوگا کہ تاریخ اسلام میں ایسے کون سے افراد تھے جو شوریٰ کے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے طالب تھے اور اپنے موقف کو انھوں نے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ دونوں کے دورِ خلافت میں پیش کیا تھا۔

بنو ہاشم کا موقف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات میں جب مسلمانوں پر غم واندوہ کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بنو ہاشم کے سیدنا عباسؓ نے خاندان کے ایک فرد سیدنا علیؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین

بنانے کی فکر میں تھے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں یہ روایت نقل کی ہے۔

ان علی بن ابی طالب خرج عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وجعہ الذی توفی فیہ فقال الناس یا ابا حسن کیف اصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصبح بحمد اللہ بارئا فاخذ بیدہ عباس ابن عبد المطلب فقال لہ انت واللہ بعد ثلاث عبد العصا ..... الخ۔

سیدنا علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر نکلے تو لوگوں نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا ہے۔؟ انھوں نے کہا الحمد للہ آپ ٹھیک ہیں۔ سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ کا ہاتھ تھام کر کہا۔ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم ڈنڈے کے غلام بن جاؤ گے۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں وفات پا جائیں گے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اولاد عبد المطلب کا چہرہ وفات کے وقت کیسا ہو جاتا ہے۔ تم میرے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو۔ ہم آپ سے پوچھ لیں گے کہ آپ کے بعد جانشین کون ہوگا۔ اگر آپ ہمارے خاندان میں خلافت دیں تو ٹھیک ہے۔ اگر ہمارے علاوہ کسی اور کو دیں تو یہ بات ہمیں معلوم ہو جائے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دوسرے کو ہمارے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت فرما دیں گے۔ سیدنا علیؓ نے جواب دیا کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا تو پھر لوگ ہم کو کبھی جانشین نہ بنائیں گے۔ لہذا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بات نہیں پوچھوں گا۔

(بخاری ج ۲ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ سیدنا عباسؓ اور سیدنا علیؓ دونوں چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت آپ کے اہل خاندان میں سے کسی کو ملے لیکن سیدنا علیؓ کو توقع تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کریں گے۔ البتہ آگے چل کر خود عامتہ المسلمین چاہیں تو آپ کو خلیفہ منتخب کر لیں گے۔ اس روایت میں سیدنا عباسؓ کے الفاظ قابل غور ہیں۔ کہ تین دن کے بعد تم ڈنڈے کے غلام بن جاؤ گے۔ گویا انکے نزدیک بنی ہاشم کا کوئی فرد حاکم ہو تو انصاف سے کام لے گا۔ دوسرا ہو تو لوگوں کو ڈنڈے کا غلام بنائے گا۔ حالانکہ سیدنا ابوبکرؓ سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ نے اپنی حاکمانہ رائے کو کبھی ڈنڈے کے زور سے نہ منوایا نہ کبھی کسی کو ڈنڈے کے زور سے بیعت کرنے پر مجبور کیا۔ بنو ہاشم کے اس سیاسی موقف کو تاریخ نے بہرحال محفوظ رکھا ہے۔

۱۲۔ بنو ہاشم کا موقف شیخین کے دور خلافت میں

صحیح بخاریؒ کی روایت کے مطابق سیدنا عباسؓ اور سیدہ فاطمہؓ سیدنا ابوبکرؓ کے پاس اپنے ورثے اور ترکے کا مطالبہ لے کر پہنچے۔

ان فاطمۃ والعباس اتیا ابا بکر یلتمسان میراثھما ارضہ من فدک وسھمہ من خیبر۔ فقال ابوبکرؓ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا نورث ما ترکنا صدقۃ انما یاکل آل محمدؐ من ھذا المال۔

سیدہ فاطمہؓ اور سیدنا عباسؓ دونوں سیدنا ابوبکرؓ کے پاس آکر اپنے ترکے میں زمین فدک اور خیبر کا حصہ مانگنے

لگے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: "ہم لوگوں کا کوئی وارث نہ ہوگا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں گے وہ صدقہ ہے۔ البتہ آلِ محمد اس میں سے اپنی گزر بسر کے لئے لے سکتے ہیں۔ (بخاری ج۲ کتاب المغازی باب حدیث بنو نضیر)

سیدنا ابوبکرؓ کے دورِ خلافت کے بعد سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ میراث اور ترکہ کا مطالبہ لے کر سیدنا عمرؓ کے پاس پہنچے۔ سیدنا عمرؓ نے اللہ کا واسطہ دے کر مذکورہ بالا حدیث: "لا نورث ما ترکنا صدقۃ" انھیں سنائی اور پوچھا:۔

ھل تعلمان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد قال ذالک قال نعم:۔ کیا تم دونوں جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا؟ ان دونوں نے کہا: جی ہاں۔ پھر سیدنا عمرؓ نے معاملے کی صورتِ حال کی یوں وضاحت کی۔

فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینفق علی اھلہ نفقۃ سنتہ من ھذا المال ثم یاخذ ما بقی فیجعلہ مال اللہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے اپنے اہل و عیال کا سال بھر کا خرچ نکال لیتے تھے۔ اس کے بعد اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے۔

سیدنا عمرؓ نے دونوں کو یاد دلایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا ابوبکرؓ بحیثیت خلیفہ اس مال میں وہی کرتے رہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا تھا۔ پھر سیدنا عمرؓ نے کہا کہ سیدنا ابوبکرؓ کے بعد وہ خلیفہ بنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکرؓ کے طریقے پر کاربن

رہے۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

جئتمانی کلاکما وکلمتکما واحدۃ وامرکما جمیع فلما بدا لی ادفعہ الیکما فقلت ان شئتما دفعتہ الیکما علی ان علیکما عہد اللہ ومیثاقہ لتعملان فیہ بما عمل فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکرؓ وعملت فیہ فقلتما ادفعہ الینا بذالک۔

یعنی تم دونوں میرے پاس آئے اور تم دونوں کی رائے اس معاملے میں متفق تھی۔ میں نے آپ دونوں سے کہا کہ میں یہ کام آپ دونوں کے سپرد کرتا ہوں بشرطیکہ آپ حضرات یہ عہد کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکرؓ اور میرے طرزِ عمل کے مطابق اس میں کام کرتے رہیں گے۔

روایت صاف بتاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ اس وقف کے متولی پہلے سیدنا ابوبکرؓ پھر سیدنا عمرؓ تھے۔ بسہولت کار کے لئے سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ اس وقف کے متولی بنائے گئے تھے۔ الغرض دونوں حضرات کو یہ جائیدادیں بطور ورثہ اور ترکہ نہ مل سکیں۔

اس روایت میں آگے چل کر بیان ہوا ہے کہ امہات المومنینؓ نے بھی اپنا حصہ اسی طرح مانگا تھا۔ لیکن سیدنا ابوبکرؓ کا جواب سنکر انھوں نے اپنا مطالبہ واپس لے لیا۔ بلکہ بنو ہاشم کے دونوں بزرگ سیدنا عباسؓ اور سیدنا علیؓ نے سیدنا عمرؓ کے پاس پھر ورثے کا مطالبہ دہرایا حالانکہ وہ ان جائیدادوں کے متولی بنائے گئے تھے۔ بہرحال روایت آگے چلتی ہے کہ سیدنا علیؓ نے سیدنا عباسؓ کو اس ذمہ داری سے بے دخل کر دیا تھا۔

قال فکانت ھذہ الصدقۃ بید علی منعھا علی عباسا فغلبہ علیھا ثم کان بید حسن بن علی ثم بید حسین بن علی ثم بید علی

بن حسین وحسن بن حسن کلاھما یتداولانھا ثم بید زید بن حسین وھی صدقۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقاً۔ یہ صدقہ کی جائداد میں سیدنا علیؓ نے قبضہ کرلیں۔ اور عباسؓ کو بے دخل کردیا۔ آپ کے بعد حسنؓ بن علیؓ، پھر علیؓ بن حسینؓ اور حسنؓ بن حسنؓ دونوں باری باری سے اس کا انتظام کرتے رہے۔ ان کے بعد یہ زیدؓ بن حسینؓ کے زیر انتظام رہی اور جائداد حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ تھا۔

اس تفصیلی روایت سے سیدنا عمرؓ اور سیدنا علیؓ کے اس خاص معاملے میں علیحدہ علیحدہ موقف پر روشنی پڑتی ہے۔ سیدنا علیؓ اور سیدنا عباسؓ کا ورثہ اور ترکہ حاصل کرنے کے لئے سیدنا عمرؓ کی خدمت میں پہنچنے کے سلسلے میں صحیح مسلم کے الفاظ قابل غور ہیں۔

فقال عباسؓ یا امیر المومنین اقض بینی وبین ھذا الکاذب الاثم الغادر الخائن۔ اے امیر المومنین میرے اور اس جھوٹے گناہ گار، دھوکہ باز، اور خائن کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔

دونوں کو سمجھاتے ہوئے سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ جب سیدنا ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو اس وقت۔ فجئتما تطلب میراثک من ابن اخیک ویطلب میراث امراتہ من ابیھا۔

تم دونوں آئے تم عباسؓ تو اپنے بھتیجے کی میراث طلب کر رہے تھے اور یہ علیؓ اپنی بیوی کی میراث جو ان کے والد صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی طلب کر رہے تھے۔ لیکن جب سیدنا ابوبکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی:۔ مالورث ماترکنا صدقۃ۔ ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا۔ ہم

ہم جو چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوگا، تو تم دونوں نے سیدنا ابوبکرؓ کے بارے میں خیال کیا۔

فرائیتما کاذبا اثما غادرا خائنا واللہ یعلم انہ لصادق بار راشد تابع للحق۔

تم دونوں نے سیدنا ابوبکرؓ کو جھوٹا، گناہ گار، دھوکہ باز اور خیانت کار سمجھا! حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ وہ سچے نیک ہدایت یافتہ، اور حق کے پیرو تھے۔ جب سیدنا ابوبکرؓ کی وفات ہوئی اور میں سیدنا ابوبکرؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی اور جانشین بنا تو فرائیتمانی کاذبا آثما غادرا خائنا واللہ یعلم انی لصادق بار راشد تابع للحق۔ تم دونوں نے مجھے جھوٹا، گناہ گار، دھوکہ باز اور خیانت کار سمجھا حالانکہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں سچا، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کا پیرو ہوں۔ (صحیح مسلم: کتاب الجہاد، باب حکم الفئی)

صحیح مسلم کی روایت پر غور کرنے سے دو باتوں کا انکشاف ہوتا ہے پہلی بات یہ ہے کہ بنو ہاشم کے دو بزرگ سیدنا عباسؓ اور سیدنا علیؓ نے ورثہ اور ترکہ نہ ملنے پر شیخین رضی اللہ عنہما کو جھوٹے، گناہ گار، دھوکہ باز اور خیانت کار سمجھا۔ ان کے یہ خیالات ان کے گھر والوں اور ان کے عجمی غلاموں میں پھیلے ان کے اثرات سے تین عجمی جنونیوں ہرمزان، ابولؤلؤ اور جفینہ نے سازش کی اور سیدنا عمرؓ کو شہید کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ نے لانورث والی حدیث مبارکہ سے استناد فرمایا تھا۔

قرآن پاک میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے۔ وورث سلیمان داؤد۔ اور سلیمان داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ یرثنی و یرث آلِ یعقوب میرا ہونے والا بیٹا میرا اور آلِ یعقوب علیہ السلام کا وارث ہو۔

حدیث مبارک میں آیا ہے۔

بنی اسرائیل میں کاروبار حکومت انبیاء چلاتے رہے۔ ایک نبی کا انتقال ہوتا تو اس کا جانشین نبی کاروبار حکومت کو چلاتا تھا۔ (صحیح بخاری)

مطلب یہ نکلتا ہے کہ سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثے اور ترکے کا خیال ختم نبوت کے منافی تھا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں ہو سکتا۔ بنو ہاشم اس لطیف ایمانی نکتے کو سمجھ نہ سکے اور اپنے موقف پر قائم رہے۔ ان سے متاثر لوگوں میں یہ خیال پھیلتا چلا گیا تا آنکہ بنی فاطمہ کی سیاسی تحریک کی ناکامی کے بعد اس گروہ نے جب مذہبی شکل اختیار کی تو اس کے اصل الاصول یہی دو نکات رہے۔

۱۔ ختم نبوت کے اقرار کے ساتھ امامت کو نبوت کے اوصاف سے متصف ماننا۔

۲۔ ورثہ اور ترکہ میں شیخین رضی اللہ عنہما کی مخالفت اور ان کی شان میں برے القاب۔

صحیح بخاری کی زیر نظر روایت سے ایک عجیب بات سامنے آتی ہے کہ آلِ علیؓ نے ان جائیدادوں کا انتظام بھی اپنے قبضے اور خاندان میں رکھا لیکن خلافت راشدہ کے تین اہم ستونوں پر ان جائیدادوں کے غصب کرنے کا الزام بھی لگاتے رہے اور آج یہ بات ان کے

مذہبی عقائد کا جز لا ینفک بن گئی۔ اس تاریخی غلط فہمی کو جس قدر جلد ہو سکے دور ہو جانا چاہیئے تاکہ ملتِ اسلامیہ میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو کر تمام دنیا کے مسلمان جسدِ واحد بن سکیں۔

۱۲۔ سیدنا عمرؓ کے خلاف سازش میں ایک پُراسرار شخصیت

کعب الاحبار یمن کے ایک نو مسلم یہودی تھے۔ اہلِ یہود کے مذہبی عالم تھے اور قرآن پاک کی تفسیر میں اسرائیلی روایات سے کام لیتے تھے۔ سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں مسلمان ہوئے۔ بخاری شریف میں سیدنا معاویہؓ سے روایت ہے کہ وہ کعب الاحبار کو اہلِ کتاب کی اکاذیب کے راوی سمجھتے تھے۔ تاہم تالیفِ قلب کے طور پر صحابہ کرامؓ ان سے بہتر سلوک روا رکھتے تھے۔

عن الزہری اخبرنی حمید بن عبدالرحمٰن سمع معاویہ یحدث رھطاً من القریش بالمدینۃ وذکر کعب الاحبار فقال ان کان من اصدق ھٰؤلاء المحدثین الذین یحدثون عن اھل الکتاب وان کنا مع ذالک لنبلو علیہ الکذب۔

سیدنا معاویہ مدینہ میں قریش کے کچھ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ کعب الاحبار کا ذکر کیا اور کہا وہ ان لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے جو اہلِ کتاب سے روایت کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ہم ان کی روایات میں جھوٹی باتیں پاتے تھے۔ (بخاری ج ۳ کتاب الاعتصام بالکتاب

والسنۃ باب لاتسئلوا اہل الکتاب)

کعب الاحبار کا دعویٰ تھا کہ ان کے والد سے ورثہ میں انھیں ایک ایسی کتاب ملی تھی جس میں قیامت تک ہونے والے واقعات درج تھے۔ ان کے والد نے اس کتاب کو سر بمہر کر دیا تھا کہ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین اس کو کھولیں اور اس کے مندرجات پر عمل کریں۔ چنانچہ اس کتاب کی ہدایت پر کعب الاحبار نے اسلام قبول کیا۔ اس کتاب نے انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، آپ کی کامیابی، آپ کی وفات۔ آپ کے بعد سیدنا ابوبکرؓ کی خلافت اور بعد میں سیدنا عمرؓ کی خلافت کا تمام احوال بتا دیا تھا۔ (حلیۃ الاولیاء، ابونعیم)

طبری کی روایت کے مطابق کعب الاحبار نے سیدنا عمرؓ فاروق کو آپ کی شہادت سے تین دن پہلے بتا دیا تھا کہ آپ اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔

ہماری روایات سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کعب الاحبار نے اپنی مزعومہ کتاب کسی مسلمان کو دکھائی ہو، اس پُراسرار شخصیت کی پُراسرار کراماتی کتاب کے پس پردہ یہ امکان موجود ہے کہ یہ ہرمزان، جفینہ اور ابولولوء کی سازش سے واقف تھے اور کرامات اولیاء کی آڑ لے کر خود سیدنا عمرؓ کو دہشت زدہ کرنا چاہتے تھے، اور دوسری طرف سازش کرنے والوں کی بلاواسطہ مدد اور حوصلہ افزائی کرنا چاہتے تھے تاکہ سیدنا عمرؓ کی شہادت کو لوگ اللہ کے کسی پُراسرار علم کے عین مطابق وقوع پذیر ہونے والا واقعہ سمجھیں اور اس کے بروقت ہونے پر ایمان لے آئیں۔

اہل یمن سے سیدنا عباس کے تجارتی تعلقات تھے۔ چنانچہ کعب الاحبار مدینہ آکر اسی تعلق کی بناء پر سیدنا عباسؓ کے دوستوں میں شامل ہو گئے تھے۔ سیدنا عباسؓ اور سیدنا علیؓ کے سیدنا عمرؓ کے متعلق وہ ریمارک جن کا تذکرہ سیدنا عمرؓ نے ان دونوں بزرگوں کے سامنے کیا تھا۔ سیدنا عباسؓ کے قریبی دوست کعب الاحبار اس سے ناواقف نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ کی شہادت کے بعد کعب الاحبار سیدنا عثمانؓ کے آخری دور میں اپنی تاویلات قرآن سے سیدنا عثمانؓ کے خلاف چلنے والی تحریک کو تقویت پہنچاتے رہے ان کے اس دور کی کارکردگی ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

کعب الاحبار کی فرضی کتاب جس میں قیامت تک ہونے والے واقعات کا تذکرہ تھا ایک ایسا خیال تھا جس سے قرآن پاک کے بالمقابل ایک اور کتاب کا تصور ابھرتا تھا۔ اس توہم پرستی نے آگے چل کر بنو فاطمہ کی سیاسی تحریکوں کی ناکامی کے دوران اللہ کی طرف سے مہر شدہ لفیفت کا نزول جس میں سیدنا علیؓ کی خلافت کا حکم تھا۔ اور بارہ اماموں کے نام مہر زدہ ہدایات تھیں۔ اور ہر امام اس ہدایت پر عمل پیرا رہا اور اس کے بعد کتاب جفر کی شکل اختیار کر لی جو قرآن پاک کی موجودگی میں علم ما کان و ما یکون۔ پر حاوی تھی اور قیامت تک ہونے والے واقعات سے شیعہ ائمہ کرام کو آگاہ کرتی تھیں۔ مہر شدہ وصیت اور جفر کی تفصیلات کے لئے" اصول کافی" دیکھئے۔

الغرض ملت اسلامیہ میں انتشار پسند تحریکوں پر کعب الاحبار کا اثر نہایت گہرا اور دیرپا ثابت ہوا۔ سیدنا عمرؓ کی شہادت ...

کے ان فکری اور سیاسی عوامل کے بعد اب یہ دیکھنا باقی رہ جاتا ہے کہ اس حادثہ جانکاہ کے معاشی عوامل کیا تھے۔

۴۔ سیدنا عمرؓ کی شہادت کے معاشی عوامل

سیدنا عمرؓ فاروق اعظم کی معاشی حکمت عملی کا مختصر حال اوپر گذر چکا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپؓ کی اس معاشی حکمت عملی کے خلاف کیا کوئی ردّ عمل ہوا۔؟

ہم دیکھ چکے ہیں کہ مفتوحہ ممالک کی اراضی کو قومی ملکیت میں لینے کی معاشی حکمت عملی پر سیدنا عمرؓ کی قرآنی فکر کی تائید میں تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو چکا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خوش حال اور مفلس تمام افراد نے یکساں طور پر آپ کی تائید کی تھی۔ پھر ان خوش حال افراد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابہؓ تھے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منصوبۂ اخوت سے اچھی طرح واقف تھے جس میں خوشحال بھائیوں نے اپنے مفلس بھائیوں کو اپنے مکانات، کاروبار، اور اشیاء ضرورت میں شریک کر لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے نیک نفس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صحابہ کرامؓ کی جانب سے سیدنا عمرؓ کی معاشی حکمت عملی کے خلاف کسی بھی قسم کا ردِّ عمل خارج از امکان ہے اگر ایسا ہوتا تو سیدنا عمرؓ کے خلاف سازشیں کرنے والوں میں ان میں

سے کسی کا تذکرہ ضرور ہوتا۔

ہماری تاریخوں میں سیدنا عمرؓ کے ان اقدامات کا تذکرہ موجود ہے جن کے ذریعے آپ نے گورنروں کی نصف دولت بحق سرکار ضبط کرلی۔ جن صحابہ کرامؓ کی دولت ضبط ہوئی ان کے ماتھے پر شکن تک نہ آئی۔ اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ سیدنا عمرؓ ان کی دولت ضبط نہ بھی فرماتے تو وہ بزرگ اس کو فی سبیل اللہ خرچ کردیتے۔

سیدنا عمرؓ نے سرکاری چراگاہ میں دو مالدار اصحابؓ سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سیدنا عثمانؓ کے جانوروں کو چرانے کی پابندی کردی تھی جبکہ غریب و نادار مسلمانوں کے جانوروں کو سرکاری چراگاہ میں چرانے کی عام اجازت تھی۔ لیکن سیدنا عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سیدنا عثمانؓ کی طرف سے آپ کے اس اقدام پر کسی بھی قسم کی نکتہ چینی نہ ہوئی۔ مطلب یہی نکلتا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کے نزدیک غریبوں کے مسائل کا حل امیروں کے مسائل کے حل پر ترجیح رکھتا ہے۔

ربذہ کے سرسبز و شاداب علاقے کو سرکاری چراگاہ مقرر کرنے کے بعد اہل ربذہ اس پر معترض ضرور ہوئے۔ لیکن سیدنا عمرؓ کا استدلال سن کر انہوں نے اپنے علاقے کی بلا قیمت منتقلی کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دل و جان سے قبول کرلیا تھا۔

البتہ خمس جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تھا اور اموال بنو نضیر اور خیبر پر بنو ہاشم کے حق جتانے، احتجاج کرنے، اور بار بار اس پر قابض ہونے کی کوششیں بحوالہ بخاری و مسلم درج ہو چکی ہیں۔ ظاہر ہے کہ سیدنا عمرؓ کی معاشی حکمت عملی کے خلاف بنو ہاشم کے چند افراد نے

مخالفانہ ردعمل کا اظہار فرمایا تھا۔ لیکن صحابہ کرام کے اجماع کے مقابلے میں ان کی ایک نہ چلی۔ دوسری بات روایات سے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ ان اموال کی ملکیت کا سوال بنو ہاشم صرف اس لئے اٹھاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ثابت ہو جائے تاکہ آپ کی جانشینی اور خلافت تک اس کی رسائی ہو سکے۔ اور بس۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ سیاسی ردعمل تھا جس پر معاشی حقوق کا پردہ ڈالا گیا تھا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قرآن پاک کو وہ اپنی زندگی کا دستور العمل سمجھتے تھے۔ ان کی اسی ایمانی کیفیت نے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کے وقت حسبنا کتاب اللہ کہلوایا۔ جو لوگ آج بھی ان کے اس قول پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ انکی نظر سے غالباً قرآن پاک کی یہ آیت اوجھل رہتی ہے۔

وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھٰذا القرآن مھجوراً۔

ترجمہ:۔ اے پروردگار میری قوم نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے۔

ظاہر ہے کہ سیدنا عمر فاروق اعظمؓ تمسک بالقرآن پر عامل رہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص اپنے چچا کو آپ سے ملانے لایا۔ اس بوڑھے کی باتوں پر آپ خفا ہوئے۔ بھتیجے نے خذ العفو وأمر بالعرف واعرض عن الجاھلین کی آیت پڑھی اور کہا: یہ بوڑھا جاہل ہے۔ راوی کہتے ہیں۔ فواللہ ما جاوزھا عمر حین تلاھا علیہ وکان وقافاً عند کتاب اللہ۔

جوں ہی یہ آیت سیدنا عمرؓ کے سامنے پڑھی گئی آپ نے اس آیت کے حکم سے تجاوز نہیں فرمایا۔ آپ اللہ کی کتاب کا بہت زیادہ پاس رکھنے والے تھے۔

مذکورہ بالا روایت کی ابتدا میں ہے کہ راوی عیینہ بن حصن: وکان من النفر الذین یدنیهم عمر وکان القراء اصحاب مجلس عمر ومشاورته کهولا کانوا او شبانا۔

یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو سیدنا عمر اپنے قریب رکھتے تھے اور قرآن کے عالم خواہ بوڑھے ہوں یا جوان عمرؓ کی مجلس کے ساتھی اور ان کے مشیر ہوتے تھے

ایک مرتبہ جمعے کے خطبے میں آپ نے فرمایا کہ جو لوگ نکاح میں زیادہ مہر باندھتے ہیں آئندہ سے میں ان کو سزا دوں گا۔ پچھلی صف سے ایک بوڑھی عورت نے یہ آیت پڑھی۔

ولو اعطیتم احداهن قنطاراً من الذهب والفضة۔ کہ طلاق کے وقت تم اپنی بیویوں کو دیا ہوا مال واپس نہ لو خواہ تم ڈھیروں سونا چاندی دے چکے ہو۔ بڑھیا نے کہا۔

اے عمرؓ! اللہ تو ہم کو ڈھیروں مال دلاتا ہے۔ تم روکنے والے کون ہو۔ ایک عام بڑھیا نے قرآن کا حوالہ سنتے ہی سیدنا عمرؓ نے ایسا فیصلہ تبدیل کر دیا۔

آپ کی قرآنِ کریم سے محبت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جنگ یمامہ میں حفاظ کی شہادت کے بعد یہ آپ ہی تھے جنھوں نے سیدنا ابوبکرؓ کو رائے دی کہ قرآن کو ایک کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کر دیا جائے۔ اس پر عمل ہوا اور آج ہر مسلمان دنیا میں کہیں رہتا ہو اور کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو خواہ وہ قرآن کو تحریف شدہ مانتا ہو لیکن تلاوت کرتا ہے تو وہی ایک کتاب جو سیدنا عمرؓ کے مشورے سے سیدنا ابوبکرؓ نے جمع کر دی تھی۔ ملتِ اسلامیہ پر سیدنا عمر فاروق اعظمؓ کے بہت سے احسانات میں سے یہ سب سے بڑا احسان ہے۔ (تمت بالخیر)